انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ

جریدہ حیاتِ نو

مدیر مسئول: سید راشد حامدی —— مدیر: ابوالاعلیٰ سید سبحانی

جلد: ۲، شمارہ: ۷، جنوری تا مارچ ۲۰۱۸ء / ربیع الآخر۔ رجب المرجب ۱۴۳۸ھ

مجلس ادارت

محمد اسماعیل فلاحی............نئی دہلی

زبیر ملک فلاحی............لکھنؤ

انیس احمد فلاحی............جامعۃ الفلاح

فی شمارہ:	اندرون ملک	۳۰/روپے
	بیرون ملک	۵/امریکی ڈالر
سالانہ زرتعاون:	اندرون ملک	۳۰۰/روپے
	بیرون ملک	۲۰/امریکی ڈالر
لائف ممبرشپ:	اندرون ملک	۵۰۰۰/روپے
	بیرون ملک	۳۰۰/امریکی ڈالر

❋ رجسٹرڈ ڈاک سے رسالہ منگانے کی صورت میں رجسٹری خرچ بذمہ خریدار ہوگا۔

❋ مقالہ نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

Printed, Published & Owned by Sayyed Rashid Ali,F-9, Zeeshan Apartment, 1st Floor, Near Masjid Al-Habeeb, 40 FT Road, Shaheen Bagh, Jamia Nagar, Okhla, New Delhi-110025. **Printed at**: Ala Printing Press, 3636, Katra Dina Baig, Lal Kuan, Delhi-110006. **Published at**:F-9, Zeeshan Apartment, 1st Floor, Near Masjid Al-Habeeb, 40 FT Road, Shaheen Bagh, Jamia Nagar, Okhla, New Delhi-110025. **Editor: Abul Aala Sayyed**

نقوشِ حیات

اداریہ	ابوالاعلیٰ سید سبحانی	۳
اردو تراجم قرآن پر ایک نظر (۲۷)	ڈاکٹر محی الدین غازی	۵
ہندو اہل علم کی سیرت نگاری	ڈاکٹر ضیاء الدین ملک فلاحی	۱۲
علامہ اقبالؒ کے تہذیبی افکار	ضمیر الحسن خاں فلاحی	۲۷
دینی وسماجی بیداری میں مساجد کا رول	ابوالاعلیٰ سید سبحانی	۳۹
کتنا اخلاص بھرا رشتہ تھا......	ڈاکٹر محمد افضل فلاحی	۴۴
مشاہیر کے خطوط	ادارہ	۵۳
شعر ونغمہ	احسان الحق عارفؔ فلاحی، سرفراز بزمی فلاحی، عزیز نبیل، ارشد جمال صارم	۵۵
تعارف وتبصرہ	محمد اسعد فلاحی، سعید اختر اعظمی	۵۹
آپ کے خطوط	قارئین	۶۳
جامعہ کے لیل ونہار واخبار انجمن	مصباح الباری فلاحی	۶۵
اخبار انجمن	ادارہ	۷۹

خط وکتابت وارسال زر کا پتہ

Zeeshan Apartment, F-9, 1st Floor, Near Masjid Al-Habeeb, 40 FT Road, Shaheen Bagh, Jamia Nagar, Okhla, New Delhi-110025

Email: jareedahayatenau@gmail.com

موبائل نمبر (مدیر مسئول): +91-9811126467

موبائل نمبر (مدیر): +91-9891051676

اداریہ

اپنی بات

قرآن مجید صالح فرد کی بھی تشکیل کرتا ہے اور صالح اجتماعیت کی بھی، اور یہ تشکیل بہت ہی اعلی اصولوں کی بنیاد پر کرتا ہے۔

قرآن مجید فرد کو بھی اوصاف وکمال سے مالا مال کرتا ہے اور اجتماعیت کو بھی۔

قرآن مجید ایک ایمانی اجتماعیت کی تشکیل کرتا ہے اور فرد کو اس سے ایمانی بنیادوں پر وابستہ کرتا ہے۔ جس طرح ایمان کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں، اسی طرح اجتماعیت سے وابستگی کے بھی کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔ اجتماعیت سے وابستگی اور ایمانی قافلے کو درست انداز اور صحیح رخ پر لے کر چلنے کے لیے ان تقاضوں کی تکمیل از حد ضروری ہے۔

ذیل میں موجودہ تناظر میں اجتماعیت سے وابستگی کے تین اہم تقاضوں پر روشنی ڈالی جائے گی:

(۱) احسان شناسی اور اعتراف کا رویہ: قرآن مجید جس اجتماعیت کی تشکیل کرتا ہے اور اللہ کے رسولؐ نے جو اجتماعیت عملاً قائم کرکے دکھائی، وہ ایمان، احسان اور اعتراف جیسے اعلی اوصاف واقدار پر قائم ہوتی ہے، وہ تنگ نظری اور تعصّبات سے بالکلیہ پاک ہوتی ہے۔ وہاں ہر خوبی کا اعتراف ہوتا ہے اور ہر احسان کو مانا جاتا ہے۔ یہاں دوسرے سطحی عناصر، گھٹیا مصالح اور تنگ نظری پر مبنی سوچ اور رائے کا کوئی گزر نہیں ہوتا۔

قرآن مجید میں کہا گیا: رب ارحمھما کما ربیانی صغیرا۔ قرآن مجید کی یہ ہدایت صرف والدین کے سلسلے میں نہیں ہے بلکہ یہ ایک عظیم انسانی اصول ہے۔ انسانی سماج کو تنگ نظری اور تعصب سے پاک کردینے والا اصول، اور محبت والفت کی لڑی میں پرو دینے والا اصول۔ اعتراف اور احسان شناسی کا یہ اصول دنیا کو بے حد حسین بنا دینے کی قوت رکھتا ہے۔

(۲) مشن کے لیے جدوجہد: قرآنی بنیادوں پر قائم ہونے والی اس اجتماعیت سے وابستگی کا دوسرا اہم تقاضا یہ ہے کہ اپنے رب کے مشن کو تمام انسانوں کا مشن بنا دیا جائے۔ اپنے رب کے رنگ میں تمام انسانیت کو رنگ دینے کی جدوجہد کی جائے، ومن احسن من اللہ صبغة۔ اپنے گھر کو بھی اسی رنگ میں رنگ دیا جائے اور اپنے سماج کو بھی اسی رنگ میں رنگ دیا جائے۔ ہمارے پاس اسلامی فکر کے ساتھ

ساتھ اسلامی گھر بھی ہونے چاہئیں، ہمارے پاس اسلامی فکر کے ساتھ ساتھ اسلامی خاندان بھی ہونے چاہئیں۔قوا أنفسکم و أھلیکم نارا،صرف ایک مخصوص حکم نہیں ہے، بلکہ یہ ایمانی قافلے سے وابستہ افراد کی ذمہ داری کا بیان ہے۔ایمانی قافلے سے وابستہ افراد کے ہاں جمود نہیں ہوتا، یہاں تحریک ہی تحریک ہوتی ہے۔یہاں گھر میں بھی تحریک ہوتی ہے، یہاں دوستوں میں بھی تحریک ہوتی ہے، اوران کے ذریعہ ان کے پورے سماج اور معاشرے میں بھی تحریک ہوتی ہے۔قرآن مجید میں نوح علیہ السلام کے بیٹے اورلوط علیہ السلام کی بیوی کی مثال اس سلسلے میں ممکنہ استثناء کو بیان کرتی ہے،لیکن اگر یہ صورتحال عمومی بن جائے تو یقیناً تشویش کا باعث ہوگا۔

(۳) تواصی کا فریضہ:موجودہ حالات کے تناظر میں اجتماعیت سے وابستگی کا ایک اہم تقاضا تواصی بالحق اورتواصی بالصبر کا فریضہ ہے۔تواصی بالحق اورتواصی بالصبر قرآنی جدوجہد کا خلاصہ ہے۔صحابہ کرامؓ کے ہاں یہ وصف بدرجہ کمال موجود تھا۔آج جبکہ دنیا میں بڑے پیمانے پر تبدیلیاں واقع ہورہی ہیں، سوچنے،سمجھنے اور دیکھنے کے انداز بدل رہے ہیں،سماجی رویے تبدیل ہورہے ہیں،کل جو ناخوب تھا وہ آج خوب ہوتا جارہا ہے،کل جس کو سماج میں ذرا بھی برداشت نہیں کیا جاتا تھا،آج وہ سماج میں تحسین کی نظر سے دیکھا جارہا ہے۔آج جبکہ سوشل میڈیا اور سائبرستان نے نئی نسلوں کے لیے آزمائشوں اور امتحانات میں حد درجہ اضافہ کررکھا ہے۔آج جبکہ سماج سے سماجی زندگی ختم ہوگئی ہے اورانسان کے لیے بہکنے اور بہکتے چلے جانے کے امکانات بہت زیادہ بڑھ گئے ہیں۔ضرورت ہے کہ تواصی بالحق اورتواصی بالصبر کو اپنا رویہ اوراپنی پہچان بنالیا جائے۔اپنے اوپر بھی احتساب کی نظر رکھی جائے اوراپنے آس پاس بھی احتساب کی نظر رکھی جائے،اورخیرخواہی کے ایمانی اصول کی بنیاد پر ہرجگہ اور ہرموقع پر اپنی اجتماعیت کی حفاظت اوراجتماعیت کو درست اورصحیح انداز میں لے کر چلنے کی کوشش کی جائے۔

اللہ رب العزت ہماری کوششوں کو قبول فرمائے اورہم سب کو صحیح انداز میں دین کی خدمت کرنے کی توفیق عنایت فرمائے،واللہ ولی التوفیق وھوحسن المآب۔

....

شدید مالی بحران کے سبب یہ شمارہ کافی تاخیر کے ساتھ اورمشترک شمارے(جنوری تامارچ ۲۰۱۸ء) کے طور پر شائع کیا جارہا ہے،صفحات میں بھی کچھ کمی کی گئی ہے۔ادارہ اس کے لیے معذرت خواہ ہے۔

(ابوالاعلی سید سبحانی)

علم وتحقیق

اردو تراجم قرآن پر ایک نظر (۲۷)

(مولانا محمد امانت اللہ اصلاحی کے افادات کی روشنی میں)

ڈاکٹر محی الدین غازی، ای میل:mohiuddin.ghazi@gmail.com

اس مضمون میں اس کی ضرورت نہیں محسوس کی گئی کہ قرآن مجید کے ترجمہ کا اہم اور عظیم کام کرنے والوں کی تحسین میں کچھ رقم کیا جائے کہ اتنی عظیم خدمت مختلف شخصیات کے ذریعہ جس قدر ہمت واہتمام سے انجام دی گئی، وہ محتاج بیان وستائش نہیں ہے۔

پیش نظر تحریر میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ قرآن مجید کے ترجمہ کا کام بہت ضروری مگر نازک عمل ہے، اس میں غلطی کے امکانات کو کم سے کم کرتے رہنے کی مسلسل کوشش ضروری ہے، قرآن اللہ کا کلام ہے، تاہم اس کلام کا ترجمہ ایک انسانی کوشش ہوتی ہے، جس میں غلطیوں کا امکان ہمیشہ باقی رہتا ہے، اسی لئے جو ترجمہ جتنا زیادہ مشہور ومتداول ہے اس کا بار بار گہرائی اور باریک بینی سے جائزہ لیتے رہنا بھی اسی قدر زیادہ ضروری ہے۔ اس جائزہ میں نہ کسی طرح کا احترام مانع ہونا چاہئے اور نہ کوئی نسبت حائل ہونی چاہئے، راقم کی رائے میں ہونا تو یہ چاہئے کہ ترجمہ قرآن کا کام اجتماعی طور پر اکیڈمی کی سطح پر اور متعدد بار متعدد ماہرین لغت کی نظر سے گذرنے کے بعد قابل اشاعت سمجھا جائے، اور اشاعت کے بعد بھی نظر ثانی کا کام جاری رہے۔ لیکن بوجوہ تراجم قرآن کے ساتھ ایسا اہتمام نہیں ہوسکا۔ عام طور سے ہر ترجمہ قرآن ایک انفرادی کوشش رہی ہے، اور اس لئے غلطیوں کا امکان کسی نہ کسی حد تک ہر ترجمہ میں پایا جاتا ہے۔

----

(۱۱۸) جنوب کا ترجمہ

جنوب جنب کی جمع ہے، اس کے معنی پہلو کے ہیں، امام لغت فیروزآبادی لکھتے ہیں:

الـجَنبُ والـجانِبُ والـجَنبَةُ، مُحَرَّكَةً: شِقّ الإنسانِ وغيرِه، ج: جُنوبٌ وجوانِبُ وجَنائِبُ. القاموس المحيط۔

عربی میں پیٹھ کے لیے ظہر اور پہلو کے لیے جنب آتا ہے، مذکورہ ذیل آیت میں دونوں الفاظ ایک ساتھ ذکر کیے گئے ہیں:

(۱) يَومَ يُحمَى عَلَيهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكوَى بِهَا جِبَاهُهُم وَجُنوبُهُم وَظُهُورُهُم هَـذَا مَا كَنَزتُم لأَنفُسِكُم فَذُوقُوا مَا كُنتُم تَكنِزُونَ۔ (التوبۃ:۳۵)

''ایک دن آئے گا کہ اسی سونے چاندی پر جہنم کی آگ دہکائی جائے گی اور پھر اسی سے ان لوگوں کی پیشانیوں اور پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا، لو اب اپنی سمیٹی ہوئی دولت کا مزہ چکھو'' (سید مودودی) تمام مترجمین نے یہاں جنوب کا ترجمہ پہلو یا کروٹ اور ظھور کا ترجمہ پیٹھ کیا ہے۔

اس آیت کے علاوہ دو اور مقامات پر جنوب کا لفظ آیا ہے، مذکورہ بالا آیت کی طرح وہاں بھی مترجمین نے عام طور سے پہلو اور کروٹ ترجمہ کیا ہے، تاہم صاحب تفہیم نے اوپر والی آیت میں جنوب کا ترجمہ پہلو کرنے کے باوجود ذیل کی دونوں آیتوں میں جنوب کا ترجمہ پیٹھیں کیا ہے، یہ ترجمہ درست نہیں ہے، تینوں مقامات پر جنوب کا ترجمہ پہلو ہی ہونا چاہئے۔

(۲) تَتَجَافَى جُنُوبُهُم عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُم خَوفاً وَطَمَعاً وَمِمَّا رَزَقْنَاهُم يُنفِقُونَ۔ (السجدۃ:۱۶)

''اُن کی پیٹھیں بستروں سے الگ رہتی ہیں، اپنے رب کو خوف اور طمع کے ساتھ پکارتے ہیں، اور جو کچھ رزق ہم نے اُنہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں'' (سید مودودی)

''ان کے پہلو بستروں سے کنارہ کش رہتے ہیں'' (امین احسن اصلاحی)

''ان کے پہلو بستروں پر ٹکتے نہیں ہیں'' (امانت اللہ اصلاحی، تتجافی کا صحیح مفہوم ٹکتے نہیں ہیں کہنے سے ادا ہوتا ہے)

آیت میں جنوبھم کا لفظ آیا ہے، ظھورھم کا لفظ نہیں آیا ہے، اس کی وجہ غالبا یہ ہے کہ عام طور سے

انسان کروٹ لیٹتا ہے نہ کہ چت لیٹتا ہے۔

(۳) وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُم مِّن شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ كَذَٰلِكَ سَخَّرْنَاهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ۔ (الحج:۳۶)

''اور (قربانی کے) اونٹوں کو ہم نے تمہارے لیے شعائر اللہ میں شامل کیا ہے، تمہارے لیے اُن میں بھلائی ہے، پس انہیں کھڑا کر کے ان پر اللہ کا نام لو، اور جب (قربانی کے بعد) ان کی پیٹھیں زمین پر ٹک جائیں تو اُن میں سے خود بھی کھاؤ اور اُن کو بھی کھلاؤ جو قناعت کیے بیٹھے ہیں اور اُن کو بھی جو اپنی حاجت پیش کریں اِن جانوروں کو ہم نے اِس طرح تمہارے لیے مسخر کیا ہے تا کہ تم شکریہ ادا کرو'' (سید مودودی)

''اور قربانی کے ڈیل دار جانور اور اونٹ اور گائے ہم نے تمہارے لیے اللہ کی نشانیوں سے کیے تمہارے لیے ان میں بھلائی ہے تو ان پر اللہ کا نام لو ایک پاؤں بندھے تین پاؤں سے کھڑے پھر جب ان کی کروٹیں گر جائیں تو ان میں سے خود کھاؤ اور صبر سے بیٹھنے والے اور بھیک مانگنے والے کو کھلاؤ، ہم نے یونہی ان کو تمہارے بس میں دے دیا کہ تم احسان مانو'' (احمد رضا خان)

''اور قربانی کے اونٹ اور گائے (اور اسی طرح بھیڑ اور بکری کو بھی) ہم نے اللہ کے دین کی یادگار بنایا ہے ان جانوروں میں تمہارے اور بھی فائدے ہیں سو تم ان پر کھڑے کر کے (ذبح کرنے کے وقت) اللہ کا نام لیا کرو، پس جب وہ کسی کروٹ کے بھل گر پڑیں (اور ٹھنڈے ہو جائیں) تو تم خود بھی کھاؤ اور بے سوال اور سوالی محتاج کو بھی کھانے کو دو (اور) ہم نے ان جانوروں کو اس طرح تمہارے زیر حکم کر دیا تا کہ تم (اس پر) اللہ اللہ تعالی کا شکر کرو'' (اشرف علی تھانوی)

اس آیت میں ظھور ھم کا لفظ نہیں آیا ہے، جنوبھم کا لفظ آیا ہے، اس کی وجہ بھی واضح ہے کہ قربانی کا جانور پہلو کے بل گرتا ہے نہ کہ پیٹھ کے بل۔ جنوب کا ترجمہ پیٹھ درست نہیں ہے، جبکہ پہلو درست ترجمہ ہے۔

اس آیت میں دو اور لفظوں کی تحقیق میں اختلاف ہوا ہے، وہ الفاظ حسب ذیل ہیں:

البدن کے سلسلے میں مفسرین اور اہل لغت کے یہاں دو رائیں ملتی ہیں، ایک رائے یہ ہے کہ اس سے مراد اونٹ اور گائے دونوں ہیں۔ دوسری رائے یہ ہے کہ اس سے مراد صرف اونٹ ہیں۔

ابن عطیہ نے دونوں رائیں ذکر کی ہیں: البدن جمع بدنة وهی ما أشعر من ناقة أو بقرة، قاله عطاء وغيره وسميت بذلك لانها تبدن أی تسمن، وقيل بل هذا الاسم خاص بالابل. تفسير ابن عطية.

دوسری رائے مضبوط معلوم ہوتی ہے، اس لئے کہ قربانی کا یہ طریقہ اونٹ کے لئے خاص ہے۔ گائے اور دوسرے جانوروں کی قربانی لٹا کر کی جاتی ہے، جب کہ اونٹ کی قربانی کھڑے کھڑے کی جاتی ہے، نحر کے بعد وہ اپنے پہلو کے بل گرتے ہیں۔

صواف کے سلسلے میں تین رائیں ہیں: بندھے ہوئے، کھڑے ہوئے، صف بستہ کھڑے ہوئے۔ صَوافَّ أی عَلَى نَحرِهَا . قَالَ مُجَاهِد: مَعْقُولَة. وَقَالَ ابنُ عُمَرَ: قَائِمَة قَدْ صَفَّت أيدِيهَا بِالقُيُودِ. وَقَالَ ابنُ عيسَى: مُصْطَفَّةٌ. البحر المحيط فی التفسير

مولانا امانت اللہ اصلاحی کی رائے کے مطابق ''کھڑے ہوئے'' کرنا درست ہے۔ صف بستہ کے لئے جمع سالم آتی ہے، جبکہ صواف کے لفظ میں بندھے ہونے کا مفہوم شامل نہیں ہے۔

(۱۹۹) اشحة علی کا مفہوم

شح کا مطلب حریص ہونا ہے، کہ آدمی کو جو چیز حاصل ہوا سے بچا کر رکھنا چاہے، اور جو چیز حاصل نہیں ہوا سے حاصل کرنا چاہے۔ والشّحّ: البُخل وهو الحِرصُ . وهما يَتَشاحّان على الأمر: لايُريدُ كلّ واحدٍ منهما أن يفوته.(العين)

حريص على الشیء اور شحيح على الشیء دونوں میں علی کا ایک ہی استعمال ہوتا ہے، یعنی جس چیز کی حرص ہو اس پر علی داخل ہوتا ہے۔ مذکورہ ذیل آیت میں ایک بار اشحة عليكم آیا ہے، اور اسی آیت میں پھر اشحة على الخير بھی آیا ہے۔

أَشِحَّةً عَلَيْكُمْ فَإِذَا جَاء الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُم بِأَلْسِنَةٍ حِدَادٍ أَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ۔ (الاحزاب: ۱۹)

جب ہم اردو تراجم کا جائزہ لیتے ہیں تو صورت حال یہ نظر آتی ہے کہ وہ اشحة على الخير کا ترجمہ تو ''دولت کا حریص'' ہونا کرتے ہیں، لیکن اشحة عليكم کا ترجمہ ''تمہارے حریص'' ہونا نہیں کرتے، عربی تفاسیر میں بھی اکثر تفسیروں کا حال یہی ہے۔ دراصل وہ أشحة عليكم کی تفسیر بخلاء

علیکم سے کرتے ہیں، جب کہ أشحة علیکم، بخلاء بکم کا ہم معنی ہے۔آیت کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ جب خطرہ سر پر ہوتا ہے تو خود کو تمہارا خیر خواہ اور حریص ظاہر کرتے ہیں، اور جب خطرہ ٹل جاتا ہے تو مال کے حریص بن جاتے ہیں۔پہلی حالت میں تم کو ھلم الینا کہتے ہیں، اور دوسری حالت میں تم کو اپنی تیز زبانوں کا نشانہ بناتے ہیں۔اس آیت میں أشحة علیکم کے مفہوم کی وضاحت گذشتہ آیت کے لفظ ھلم الینا سے ہو رہی ہے۔أشحة علیکم حال ہے ھلم الینا سے، یعنی تمہارے خیر خواہ بن کر تمہیں اپنی طرف بلاتے ہیں۔

اس وضاحت کے بعد چند اردو ترجمے ملاحظہ ہوں:

''تمہاری مدد میں (پورے) بخیل ہیں، پھر جب خوف و دہشت کا موقعہ آجائے تو آپ انہیں دیکھیں گے کہ آپ کی طرف نظریں جما دیتے ہیں اور ان کی انکھیں اس طرح گھومتی ہیں جیسے اس شخص کی جس پر موت کی غشی طاری ہو۔پھر جب خوف جاتا رہتا ہے تو تم پر اپنی تیز زبانوں سے بڑی باتیں بناتے ہیں مال کے بڑے ہی حریص ہیں'' (محمد جوناگڑھی)

''تمہاری مدد میں گئی کرتے (کمی کرتے) ہیں پھر جب ڈر کا وقت آئے تم انہیں دیکھو گے تمہاری طرف یوں نظر کرتے ہیں کہ ان کی آنکھیں گھوم رہی ہیں جیسے کسی پر موت چھائی ہو پھر جب ڈر کا وقت نکل جائے تمہیں طعنے دینے لگیں تیز زبانوں سے مال غنیمت کے لالچ میں'' (احمد رضا خان)

''(یہ اس لئے کہ) تمہارے بارے میں بخل کرتے ہیں۔پھر جب ڈر (کا وقت) آئے تو تم ان کو دیکھو کہ تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں (اور) اُن کی آنکھیں (اسی طرح) پھر رہی ہیں جیسے کسی کو موت سے غشی آرہی ہو۔پھر جب خوف جاتا رہے تو تیز زبانوں کے ساتھ تمہارے بارے میں زبان درازی کریں اور مال میں بخل کریں''۔(فتح محمد جالندھری)

''تم سے جان چراتے ہوئے، پس جب خطرہ پیش آجاتا تو تم ان کو دیکھتے کہ وہ تمھاری طرف اس طرح تاک رہے ہیں کہ ان کی آنکھیں اس شخص کی آنکھوں کی طرح گردش کر رہی ہیں جس پر سکرات موت کی حالت طاری ہو، پھر جب خطرہ دور ہو جاتا تو وہ مال کی طمع میں تم سے بڑی تیز زبانی سے باتیں کرتے''۔(امین احسن اصلاحی، اس میں زمانہ ماضی کا ترجمہ کیا گیا ہے، اذا کے ترجمہ میں ماضی کا استعمال درست نہیں ہے)

''جو تمہارا ساتھ دینے میں سخت بخیل ہیں خطرے کا وقت آجائے تو اس طرح دیدے پھرا پھرا کر

تمہاری طرف دیکھتے ہیں جیسے کسی مرنے والے پر غشی طاری ہورہی ہو، مگر جب خطرہ گزر جاتا ہے تو یہی لوگ فائدوں کے حریص بن کر قینچی کی طرح چلتی ہوئی زبانیں لیے تمہارے استقبال کو آجاتے ہیں‘‘ (سید مودودی)

مولانا امانت اللہ اصلاحی نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

’’تمہیں چاہنے والے بن کر، پس جب خطرہ پیش آجاتا ہے تو تم ان کو دیکھتے ہو کہ وہ تمھاری طرف اس طرح تاک رہے ہیں کہ ان کی آنکھیں اس شخص کی آنکھوں کی طرح گردش کررہی ہیں جس پر سکرات موت کی حالت طاری ہو، پھر جب خطرہ دور ہوجاتا ہے تو وہ مال کی طمع میں تم سے بڑی تیز زبانی سے باتیں کرتے ہیں‘‘۔ امام زمخشری نے اس آیت کا بالکل صحیح مفہوم بیان کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

اَشِحَّةً عَلَيكُمُ فی وقت الحرب أضناء بكم، يترفرفون عليكم كما يفعل الرجل بالذاب عنه المناضل دونه عند الخوف يَنظُرُونَ اِلَيكَ فی تلك الحالة كما ينظر المغشى عليه من معالجة سكرات الموت حذرا وخورا ولواذا بك، فاذا ذهب الخوف وحيزت الغنائم ووقعت القسمة: نقلوا ذلك الشحّ وتلك الضنة والرفرفة عليكم الى الخير– وهو المال والغنيمة– ونسوا تلك الحالة الاولى، واجترء وا عليكم وضربوكم بالسنتهم وقالوا: وفروا قسمتنا فانا قد شاهدناكم وقاتلنا معكم، وبمكاننا غلبتم عدوّكم وبنا نصرتم عليه . الكشاف

(۱۲۰) سلقوكم بألسنة كا مطلب

مذکورہ بالا آیت میں سلقوكم بألسنة حداد کا ترجمہ عام طور سے تیز زبانی، زبانی درازی اور طعنے دینا کیا گیا ہے۔ اہل لغت اور اہل تفسیر میں دو رائیں ہیں کہ اس کا مطلب زور زور سے بولنا ہے، یا تکلیف دہ باتیں کہنا ہے۔

وسَلَقَه بِلِسَانِهِ يَسلقه سلقاً: أَسمعه ما يكره فأكثر. وسَلَقة بِالكَلَامِ سَلقاً اِذا آذَاهُ، وَهُوَ شِدَّةُ الْقَوْلِ بِاللِّسَانِ. وَفِی التَّنْزِيلِ: سَلَقُوكُمْ بَاَلْسِنَةٍ حِدادٍ،

أی بالَغُوا فِيكُم بِالكَلَامِ وخاصَمُوكم فی الغَنِيمَةِ أشَدَّ مخاصمةٍ وأَبلَغَها، أَشِحَّةً عَلَى الخَيرِ، أی خَاطَبُوكُم أَشَدَّ مُخاطبة وهُمُ أشِحَّة عَلى المَالِ وَالغَنيمَةِ، الفَرَّاءُ: سَلَقُوكُمُ بأَلسِنَةٍ حِدادٍ مَعنَاهُ عَضّوكم، يَقُولُ: آذَوكم بِالكَلَامِ فِی الاَمر باَلسِنة سَلِيطة ذَرِبَةَ۔ لسان العرب

صاحب تفہیم نے سلقو کم کا ترجمہ استقبال کرنا کیا ہے، اور تفسیر میں بڑے تپاک سے استقبال کرنا لکھا ہے۔

انہیں یہ غلط فہمی غالبا تفسیر طبری کی ایک عبارت سے ہوئی ہے جس میں ابن عباس کے حوالے سے استقبلو کم کالفظ روایت کیا گیا ہے۔ تفسیر طبری کی پوری عبارت دیکھیں تو یہ غلط فہمی دور ہو جاتی ہے، پوری عبارت اس طرح ہے:

وقال آخرون: بل ذلك سلقهم اياهم بالأذى. ذكر ذلك عن ابن عباس: حدثني عليّ، قال: ثنا ابوصالح، قال: ثني معاوية، عن عليّ، عن ابن عباس قوله: (سَلَقُوكُمْ بألسِنَةٍ حِدادٍ) قال: استقبلوكم. تفسير الطبري

ابن عباس سے مروی ایک دوسری عبارت سے ان کی مراد اور واضح ہو جاتی ہے، وہ اس طرح ہے:

وأخرج الطستي عَن ابن عَبَّاس رَضِي الله عَنهُمَا أَن نَافِع بن الأزرق قَالَ لهُ اَخبرني عَن قَوله عزَّوَجل (سلقوكم بألسنةحداد) قَالَ الطعن بِاللِّسَانِ قَالَ وَهل تعرف العَرَب ذَلك قَالَ نعم أما سَمِعت الأَعشَى وهُوَ يَقُول فيهم الخطب والسماحة والنجدة فيهم والخاطب المسلاق. الدرالمنثور

عربی کا استقبال اردو کے استقبال یعنی خیر مقدم سے مختلف ہوتا ہے، اور اس کا مطلب سامنا کرنا ہوتا ہے، ابن عباس کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ وہ طعن گوئی کے ساتھ تمہارا سامنا کرتے ہیں۔ یوں تو سلق کا مطلب سامنا کرنا بھی نہیں ہوتا ہے، سلق باللسان کا مطلب تکلیف دہ بات کہنا ہوتا ہے۔ ابن عباس کی منشا یہ ہے کہ وہ تمہارے سامنے زبان درازی کرتے ہیں۔

لغت کی رو سے سلق کا مطلب استقبال کرنا اور وہ بھی تپاک سے کرنا کسی صورت میں نہیں ہوسکتا ہے۔ صاحب تفہیم نے تفسیری حاشئے میں دوسرا مفہوم بھی ذکر کیا ہے، جو عام رائے کے مطابق ہے اور وہ صحیح مفہوم ہے۔

سیرت

ہندو اہل علم کی سیرت نگاری (۱)

اردو اور ہندی تحریروں کا تجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر ضیا الدین ملک فلاحی،
اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ علوم اسلامیہ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

ڈاکٹر ضیاء الدین ملک فلاحی حفظہ اللہ کا یہ مضمون حیات نو کے ''محسن انسانیت نمبر'' کے لیے حاصل کیا گیا تھا، تاہم صفحات کی قلت اور بعض دیگر تکنیکی مسائل کی وجہ سے یہ شامل اشاعت نہیں کیا جاسکا، مضمون کی افادیت اور اہمیت کے پیش نظر اس شمارے میں اسے شائع کیا جارہا ہے.... ادارہ

ہندو اہل علم نے دیگر زبانوں کی مانند اردو زبان میں بھی سیرت نگاری کے متعدد گوشوں کا احاطہ کیا ہے۔ زیر بحث تحریر کے ذریعہ یہ حقیقت ہمارے سامنے نکھر کر آتی ہے کہ اردو زبان ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان افہام وتفہیم اور افکار وآراء کی ترسیل کا ذریعہ رہی ہے۔ چنانچہ ان کی تصنیفات میں غالب، حالی واقبال کے اشعار سے استشہاد اور سرسید وامیر علی کے ادبی محاسن سے اخذ واستفادہ بھرپور نظر آتا ہے۔ سات کتابوں کے ذریعہ اس تحریر کو مکمل کیا گیا ہے۔ دوسری طرف اس تحریر میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ ہندی منظوم اور منثور کلام کے ذریعہ نفس مضمون پر خوشگوار اضافہ کیا جائے۔ یہ تحریری سرمایہ ہندوستان کی ان پاکیزہ ہستیوں کے قلم کے شاہکار ہیں جنھوں نے تاریخ کا غیر متعصّبانہ مطالعہ کیا اور جو حق اور عدل کی متلاشی نظر آتی ہیں۔ ضرورت ہے کہ ان تک قرآن کا سندیش پہنچایا جائے تاکہ دوریاں کم ہوں اور قربتیں بڑھیں۔

(۱) مستقل تصانیف

(۱) سوانح عمری حضرت محمدﷺ صاحب بانی اسلام [۱]

اس کتاب کے مقدمہ میں ''ماہ اپریل ۱۹۰۷ء لاہور، برمھ مندر'' کندہ ہے۔ کتاب سات ابواب پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کی توصیف وتعریف میں حالی، مرزا غلام احمد قادیانی، کڈوال، بیرسٹر، آبزرور لاہور، ٹریبونل لاہور، اخبار عام لاہور کے تبصرے اور تجزیے شامل ہیں۔

سیرت وتاریخ اس کا مرکزی عنوان ہے، ہندو عطایا میں اس کتاب کو اہمیت حاصل ہے۔ چند اقتباسات کے ذریعہ سیرت نگاری کے مختلف پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے:

کتاب کا مطالعہ

اس کتاب کی تصنیف کا مقصد محمدﷺ اور ان کی زندگی کے متعدد واقعات سے متعلق جو غلط فہمیاں مشہور ہوگئی ہیں ان کا ازالہ کیا جائے۔ مصنف موصوف کہتے ہیں کہ ''ان کی کوشش کے ذریعہ سچائی اپنی اصل رنگت میں چمکے گی''۔ مستشرقین، انگریز محققین اور مورخین پر مصنف گرامی کو یقین نہیں ہے، وہ تحریر کرتے ہیں کہ دو ایک ہی قدر کے لائق ہیں بعضوں (انگریزوں) نے محض تعصب سے اپنے دل کا بخار نکالا ہے۔ بعضوں نے ادھر ادھر سے کوڑا کرکٹ بھر دیا ہے۔ چنانچہ صرف جسٹس امیر علی بیرسٹر اور سرسید احمد خان کی تالیفات کی تحسین کرتے ہیں۔[۲]

جس طرح ہندوستان کو شاکیہ منی گوتم عرف بدھ اور راجہ رام موہن رائے اور فارس کو ارنسٹ اور چین کو کنفوشش اور عیسائی دنیا کو عیسی پر فخر ہے اسی طرح محمد سے نہ صرف عرب کو فیض پہنچا بلکہ پوری دنیا کو شکرگزار ہونا چاہیے۔[۳]

سیرت کی اس کتاب کو واقعات و کوائف کے تاریخی ظہور و نزول کے اعتبار سے ترتیب دیا گیا ہے۔ چنانچہ عہد جاہلیت، پیدائش رسول، خانوادۂ رسول، مکی زندگی، حضرت خدیجہ کا کردار، ابوطالب کا دفاع، کفار کا مقاطعہ، قبول اسلام کی لہر، ہجرت حبشہ، ہجرت مدینہ، جنگ بدر واحد وخندق وغیرہ۔ قریش کی انتقامی کارروائی، بنات رسول کی شادیاں، آخری حج، فتح مکہ وغیرہ پر تفصیلی کلام ہے۔ عہد جاہلیت کی تفصیلی کیفیت کے لیے مولوی الطاف حسین حالی کے ۸۲/اشعار سے مستعار لیتے ہیں۔ کہتے ہیں شادی کی پیش کش خود خدیجہ کی طرف سے ہوئی تھی، خدیجہ کی دولت کام آئی، ایک بار حلیمہ آئیں تو محمدﷺ نے خدیجہ سے سفارش کی اور انھوں نے چالیس بھیڑیں انہیں عطا کر دیں۔[۴]

اس کتاب کی چند مزید جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں:

۱-نبوت سے قبل کے زمانہ پر تبصرہ کرتے ہیں، حجر اسود میں محمدﷺ کے فیصلہ پر قریش کی رضا مندی بیان کرتے ہیں، گوشہ نشینی میں خدائے برحق کی طرف توجہ وانہماک، مسائل پر کبیدگی اور معصوموں کے زندہ درگور کرنے پر کوفت کی صورت گری کرتے ہیں، وہ تحریر کرتے ہیں کہ: الہام الٰہی کا چشمہ ان کے دل میں پھوٹا، نور خداوندی کا چمکارا چمکا، وہ اکثر غیبی آواز سنتے تھے۔ خواب اور بیداری میں مشاہدات اور رویائے صادقہ دیکھا کرتے تھے جو خواب دیکھتے وہ سچ نکلتا، خدیجہ کو گھبراہٹ سے مطلع کیا وہ اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں۔۵

۲-معراج کے روحانی و جسمانی تصور پر بحث کرتے ہیں۔ سورہ بنی اسرائیل کی روایات سے استشہاد کرتے ہوئے یہ نتیجہ رؤیا نکالتے ہیں کہ قرآن میں اسے رویا کہا گیا ہے جس کے معنی خواب کے ہوتے ہیں۔۶

۳-دارالندوہ میں قتل کی سازش پر قریش کا اتفاق، حضرت علی کا بستر پر لٹانا کے ضمن میں تحریر کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی کتابوں میں ہجرت مدینہ کا واقعہ دلچسپ انداز میں لکھا گیا ہے جو عجب نہیں کہ صحیح ہو، مثلاً غار میں وہ لوگ گھسے، عنکبوت نے جالا تانا، تیتری نے انڈے دے دیے اور مشرکین بھاگ گئے۔۷

۴-واقعہ افک، صلح حدیبیہ، خطوط و وفود کی روانگی کا تذکرہ حقیقی پس منظر میں کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کا پختہ تاریخی شعور ہمارے سامنے نکھر کر آتا ہے۔۸

۵-خانہ داری میں سادگی، روٹی اور کھجور پر گزارا، چولہا کم جلنے کا تذکرہ کرتے ہوئے بعض بدری قیدیوں کی زبانی تاریخ کے ان پہلوؤں کی نشان دہی کرتے ہیں جس سے سیرت رسول اور اصحاب رسول کی انسان دوستی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے مثلاً ایک قیدی غلام کہتا ہے کہ وہ (اصحاب رسول) ہم کو سواری دیتے ہیں اور خود پیدل چلتے ہیں، ہم کو گیہوں کی روٹی کھلاتے ہیں اور خود کھجوروں پر گزارا کرتے ہیں۔ مال غنیمت کی منصفانہ تقسیم کے ذریعہ عوام کی فلاح و بہبود کی خدمت کو فاضل مصنف سراہتے ہیں۔ کہتے ہس کہ لوگ سیرت پاک کے مختلف پہلوؤں پر الزام لگاتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگ سیرت کے پہلوؤں کو ان کے سیاق وسباق سے پھیر دیتے ہیں۔۹

تجزیہ وتبصرہ

اس کتاب کے ذریعہ واقعہ نگاری، صحیح مآخذ سے استفادہ، مستشرقین کی آراء سے گریز اور مسلم

مورخین پر اعتماد جیسے گوشے ابھر کر ہمارے سامنے آتے ہیں۔

(۲) رسول عربی یعنی پیغمبر اسلام حضرت محمد صاحب کی سوانح عمری۱۰

کتاب کا مطالعہ

عرب کی آبادی، حکومت مکہ، محمد کے والدین، صدائے غیب، ولادت، دادا کی خوشی، ماں کی وفات، امین وصادق، خدیجہ اولین مسلمان، زید کی رہائی، سنگ اسود کا معاملہ، اعلان نبوت، ہجرت حبشہ، قتل کا منصوبہ، ابوطالب کی وفات، ہجرت مدینہ، آغاز اذان، غزوہ کی تشریح، غزوات کے احوال، ابوسفیان کا مسلمان ہونا، فتح مکہ کا بیان، ابوجہل کے بیٹے اور ابوسفیان وہندہ کو معافی وغیرہ عنوانات اس کتاب کے مضامین ہیں۔

تجزیہ وتبصرہ

فارسی کے تقریباً ایک سو اشعار سے استدلال کیا ہے۔ سید سلیمان ندوی نے اس کتاب کے مقدمہ میں مصنف گرامی کی بے تعصبی اور توحید پرستی کی ستائش کی ہے۔ فتح مکہ پر حضورؐ کی عام معافی کا اعلان بالخصوص ظالم اور کٹر دشمنوں کو حلقہ اسلام سے قریب کرنے کا بنیادی سبب بنا۔ مصنف ان واقعات کو اپنے حق گو قلم سے سپرد قرطاس کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پورا مکہ فتح ہوگیا اور صرف تین مسلمان اور تیس مشرک مارے گئے۔

(۳) عرب کا چاند ۱۱

سوامی لکشمن، ''کرشن کرن'' کے نام سے کوٹوپانہ ضلع حصار سے شائع ہونے والے رسالہ ''آب حیات'' کے ایڈیٹر رہے۔ ۱۹۳۹ء میں جوانی ہی میں وفات پائی۔ محمد ﷺ سے اپنی عقیدت کا اظہار مقدمہ میں بے باکی سے کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ غیر مسلم ہوتے ہوئے میں نے پیغمبر اسلام کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس پر میں شرمندہ نہیں ہوں اور یہ میرے ضمیر کی آواز ہے۔ ولادت باسعادت کا خوبصورت انداز تحریر دیکھیے:

''آخر وہ روز سعید اور مبارک گھڑی آ پہنچی جس کے انتظار میں زمین وآسمان کا ذرہ ذرہ بیتاب تھا۔ بہار ابھی کم سن تھی باغ وزاغ کے اندر قافلہ گل آ پہنچا تھا، حد نظر تک زمین کا دامن پھولوں سے پٹا پڑا تھا۔ نسیم خوشبو سے مہکی ہوئی تھی کہ حضرت عبداللہ کے کاشانہ میں وہ ماہتاب طلوع ہوگیا جس کی ضیا پاشیوں سے شب دیجور کی تاریکیاں اسی طرح کافور ہوگئیں جس طرح علمی نور افشانیوں سے آگے چل

کر جہالت کی تاریکی دور ہو جانے والی تھی''۔[۱۲]

تجزیہ وتبصرہ

ادبی چاشنی میں ڈوبی ہوئی یہ تحریر تعصب سے بالاتر ہے۔ مصنف کی بعض تحریروں کو دیکھ کر علامہ شبلی نعمانیؒ کے ''ظہور قدسی'' کی یاد تازہ ہو جاتی ہے جو سیرۃ النبی جلد اول میں نگینے کی مانند جڑی ہوئی ہے۔

(۲) غیر مستقل تصانیف

(۴)-اسلامیات [۱۳]

مصنف کتاب جناب مالک رام کی پیدائش ۲۲ر دسمبر ۱۹۰۶ء بمقام تھالیہ ضلع گجرات پاکستان میں ہوئی۔ وہ ۱۹۶۵ء تک حکومت ہند کے ملازم رہے، ماہر غالبیات اور ترجمان ابوالکلام آزاد کی حیثیت سے معروف ہیں۔ عربی زبان سے واقفیت کی بنا پر ہندوستان کی بیرونی تجارت کے فروغ کی خاطر متعدد بار جاپان، اسکندریہ، مومباسا اور سڈنی جا چکے ہیں۔ ان کا مطالعہ اسلامیات کافی وسیع و وقیع ہے۔ مسلم دوست ہندو اسکالر کے مطالعات خوش گوار اضافے ہیں۔ ان کا انتقال ۱۹۹۳ء میں ہو چکا ہے۔

کتاب کا مطالعہ

کتاب کے مضامین یہ ہیں: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، الاسلام، خلق عظیم، افصح العرب وغیرہ کے عناوین کے تحت سیرت نگاری کے مختلف گوشوں سے خوشہ چینی کی ہے۔ پوری کتاب میں احادیث و قرآن سے استشہاد ہے اور اہل سنت والجماعت کے عقیدے کے مطابق گفتگو کی گئی ہے۔ مالک رام کے نتائج بحث ان مسلم متجددین کے لیے تازیانہ عبرت ہیں جو اجتہاد کے نام پر لاطائل اور دور ازکار بحثوں کے عادی ہو چکے ہیں۔ وراثت اور دیگر مسائل میں احادیث سے استدلال ان کا حجیت حدیث کو تسلیم کرنا واضح کرتا ہے۔

تجزیہ وتبصرہ

اس کتاب کے ذریعہ ایک ہندو اسکالر کا احادیث اور سیرت سے محبت اور مسائل کے عادلانہ تصفیے کے لیے اس کا بار باران کی طرف رجوع ثابت ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عربی و فارسی اور انگریزی و اردو ادب کے ماہر و نقاد مالک رام کی اسلام دوستی اور محبت رسول کتاب کے حرف حرف سے ٹپکتی ہے۔

(۵)- ہندوستانی تہذیب اور اسلام [۱۴]

اس مقالے میں ہندو مذہب کے اندر برہمنوں کی اجارہ داری، اسلام میں عورتوں اور غلاموں کی

حیثیت اور اسلام کی آمد کے بعد ایک خوبصورت تہذیب کی نشو ونما میں سیرت پاک کی خوشبو سے معطر نمونوں کی توصیف کی گئی ہے۔اس مقالے میں مسٹر مہتا کہتے ہیں کہ اسلام کی تعلیم ہندو اور عیسائی مذہب کے برعکس زیادہ عملی اور دنیاوی ضرورت کے عین مطابق ہے۔دوسری بات وہ یہ کہتے ہیں کہ رسول عربی کا پیغام عام انسانوں کے لیے ہے۔محمدﷺ کو انسانی نفسیات پر کامل عبور تھا، وہ سمجھتے تھے کہ انسان کا جمود وتعطل فطری مطالبات کے حل کرنے سے ٹوٹ سکتا ہے اور رفعت وبلندی کے مدارج عمل صالحہ ہی سے طے کیے جا سکتے ہیں۔

مسٹر مہتا کی کتاب کے چند اقتباسات ان کی سلامت روی اور صحت مند تاریخی شعور کا اظہار کرتے ہیں۔ملاحظہ فرمائیں:

ہادیٔ اسلام کی سادہ تعلیم سے ایران اور ہندوستان، چین اور قسطنطنیہ کی قدیم تہذیبیں کیسی حیرت زدہ ہوگئی ہوں گی، اس کا آج اندازہ لگانا مشکل ہے۔بے شک عرب کا نبی انقلاب کا حامی تھا۔مردوں سے نصف ہی صحیح مگر عورتوں کو حق وراثت دیا گیا۔غلاموں کو وہی خوراک اور لباس دینے کی تاکید تھی جو مالک استعمال کرتے تھے اور علم کی طلب میں چین تک پہنچنے کی نصیحت کی گئی۔مگر ہادیٔ اسلام کے پیغام میں وہ جادو تھا کہ غلاموں کو بھی ایک نئی زندگی کا احساس ہونے لگا جس کی بدولت ان میں بعض دنیوی کامیابی کی اعلیٰ ترین بلندی پر پہنچ گئے۔اکثر حوصلہ مند غلاموں نے بڑے بڑے قدیم النسل تاجداروں کا غرور خاک میں ملا دیا...... ہادیٔ اسلام نے صحیح فرمایا تھا کہ خدا کی ساری زمین مسجد ہے چنانچہ اس میں جو آنا چاہتا ہے اس کے لیے دروازہ ہمیشہ کھلا ہوا ہے اور اندر داخل ہونے کے بعد کسی قسم کا فرق مراتب جائز نہیں ہے۔[۱۵]

تجزیہ وتبصرہ

سیرت وتاریخ نگاری سے زیادہ تاثیر رسالت مآب پر مبنی خوبصورت تجزیہ صاحب کتاب نے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔دعوت دین کے لیے یہ احساسات اور تجزیے حوصلہ مند نتائج کے حامل ہو سکتے ہیں۔

(۶)- پیغمبر محمد، قرآن اور حدیث[۱۶]

۱۹۹۴ء میں مصنف گرامی نے اپنی اس کتاب کو منظر عام پر لا کر فطرت کی اُس آواز پر لبیک کہا جو اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کے دلوں میں ودیعت فرمائی ہے۔۱۲۲ ابواب پر مشتمل اس کتاب کے مقدمہ

میں بشمبر ناتھ پانڈے لکھتے ہیں کہ رام رتھ اور رام مندر آندولن نے ہندوستان کو نفرتوں کا مرکز بنا دیا ہے اور ہندوستان کی دو قدیم اقوام (ہندو اور مسلمان) نفرتوں کے سمندر میں ڈوب چکے ہیں۔ مصنف گرامی آپ بیتی سناتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ تحریک آزادی کے دوران متعدد بار جیل جانے کا اتفاق ہوا جہاں حسین احمد مدنی اور دیگر مسلم اکابرین سے ملاقاتیں رہیں۔ وہاں شبلی نعمانی کی سیرۃ النبی اور سورۃ الفاتحہ کا ترجمہ پڑھنے اور مسلمان بھائیوں سے سننے کا موقع ملا...... چنانچہ میں نے عہد کرلیا کہ اسلام اور پیغمبر اسلام کو قرآن اور احادیث کی روشنی میں پیش کروں گا تاکہ نفرتوں کا عفریت کمزور ہو جائے، بھاگ جائے اور محبت، امن اور یکجہتی کا دور دورہ ہو جائے۔

تجزیہ وتبصرہ

غیر متعصب ہندو خاندان کے باوقار بشمبر ناتھ پانڈے کی یہ کتاب ان کی سلامت روی اور معروضی تاریخ دانی کا بین ثبوت فراہم کرتی ہے۔ مسلم داعیوں کے لیے اس طرح کے ہندو بھائی انمول ہیں، جو نہ صرف یہ کہ تاریخ کی ستم رانیوں اور اس کے ظالمانہ رویوں کے خلاف زندگی بھر نبرد آزما رہے بلکہ تاریخی حقائق کو اس کے سیاق کے ساتھ انسانوں کے سامنے پیش کرنے کا عہد کرتے ہیں۔ ان کا ہی عزم ہمارے سامنے ''پیغمبر محمد، قرآن اور حدیث'' کی شکل میں موجود ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کے ترجمے ہندوستان کی مختلف زبانوں میں کردیے جائیں۔

(۷)- ستیارتھ پرکاش کے ا

دیانند سرسوتی (۱۸۲۴ء-۱۸۸۳) کی اس کتاب کو آریہ سماج کا بائبل کہا جاتا ہے۔ اس کا اردو ترجمہ چموپتی ایم اے نے کیا ہے۔ کتاب کے کل تیرہ ابواب ہیں جن میں مذاہب عالم کا تعارف اس انداز میں کرایا گیا ہے کہ وید کی تعلیمات کا اثبات اور پران اور تنتر کی بدعتی تعلیمات کا انکار اور رد ہو سکے۔ چنانچہ قرآن اور اسلام پر ان کی گفتگو انتہائی جارحانہ ہے۔ قرآن میں محمد ﷺ کے تعلق سے جو تعارف کیا گیا ہے اس کی سخت تردید اس میں کی گئی ہے اور سیاق سے ہٹ کر عقلی گھوڑے دوڑائے گئے ہیں۔

چند مثالوں کے ذریعہ اس کی کج فہمی اور تعصب کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے:

۱- سورۂ آل عمران آیت نمبر ۲۰۰ کا ترجمہ یوں کرتا ہے: اے ایمان والو صبر کرو، باہمی مضبوطی و استقلال رکھو اور لڑائی میں لگے رہو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم چھٹکارا پاؤ۔

محقق (مصنف اپنے لیے یہ اصطلاح استعمال کرتا ہے) یہ قرآن کا خدا اور پیغمبر دونوں لڑائی باز

تھے جو جنگ کا حکم دیتا ہے، وہ امن میں خلل انداز ہوتا ہے کیا برائے نام خدا سے ڈرنے پر رہائی ہوسکتی ہے؟ یا دھرم کے جنگ وغیرہ کے کرنے کے ڈر سے رہائی مل سکتی ہے۔ اگر پہلی بات درست ہے تو ڈرنا نہ ڈرنا برابر ہے اگر دوسری بات درست ہے تو ٹھیک ہے۔۱۸

۲- تِلْكَ حُدُودُ اللّهِ وَمَن يُطِعِ اللّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الأَنْهَارُ (النساء، آیت ۱۳) کا ذکر کرنے کے بعد یوں تبصرہ کرتا ہے: خدا نے خود ہی محمد صاحب کو اپنا شریک بنالیا ہے اور خود قرآن ہی میں یہ بات لکھ دی ہے اور دیکھ خدا پیغمبر کے ساتھ کیسا پھنسا ہے کہ جس نے بہشت میں رسول کی شراکت کر لی ہے، کسی ایک بات میں بھی مسلمانوں کا خدا خود مختار نہیں ہے، تو لاشریک کہنا بے معنی ہے۔ ایسی ایسی باتیں خدا کی بنائی ہوئی کتاب میں نہیں ہوسکتیں۔۱۹

۳- سورۃ النساء آیت نمبر ۱۱۵ کا ترجمہ نقل کرنے کے بعد تبصرہ کرتا ہے کہ اب دیکھیے خدا اور رسول کی تعصب کی باتیں۔ محمد صاحب وغیرہ سمجھتے تھے کہ اگر ہم خدا کے نام سے ایسی باتیں نہ لکھیں گے تو اپنا مذہب ترقی نہ پائے گا اور مال نہ ملے گا۔ عیش وعشرت نصیب نہ ہوگی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنی مطلب براری اور دوسروں کا کام بگاڑنے میں کامل استاذ تھے اس وجہ سے (اناپت) کامل راست باز نہ ہوں گے۔ نیک عالم ان کی باتوں کو مستند نہیں مان سکے۔۲۰

۴-......اس بات سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد صاحب کہتے تھے کہ مجھ پر خدا کی طرف سے وحی اترتی ہے تو کسی دوسرے نے محمد صاحب کی طرح لیلا رچی ہوگی کہ میرے پاس بھی آیتیں اترتی ہیں۔ مجھ کو بھی پیغمبر مانو۔ اس کو مٹانے اور اپنی عزت بڑھانے کے لیے محمد صاحب نے یہ تدبیر کی ہوگی۔۲۱

تجزیہ وتبصرہ

پوری کتاب میں دیانند سرسوتی جیسے متعصب سماجی کارکن نے محمدؐ اور خدا کا مذاق اڑایا ہے۔ محمد کو گوسائیں قرار دیا۔ وحی کا انکار کیا، معجزہ کا تمسخر اڑایا ہے، قرآن کو علم وحکمت، ورع اور تقوی، امانت و دیانت اور صلاح وفلاح سے یکسر خالی کتاب قرار دیا۔ وہ کہتا ہے کہ وید وغیرہ علمی کتاب کے مطابق جو باتیں ہیں وہ میرے لیے قابل قبول ہیں۔ اس کے سوا جو کچھ اس میں ہے وہ سب لاعلمی کی باتیں اور توہمات ہیں۔۲۲

آریہ سماج کے بانیوں کی زہر افشانیوں کا علمی جواب علامہ ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری نے اپنی کتاب ''مقدس رسول'' میں دیا ہے جسے ناظم کمیٹی نشر واشاعت، آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس دہلی نے

دسمبر ۱۹۶۰ء میں شائع کیا ہے، مولانا امرتسری کی کتاب کے کل صفحات ۱۳۶ ہیں۔اس کتاب میں رنگیلا رسول اور وچتر جیوں، ناگری مصنف پنڈت کالی چرن کا جواب فراہم کیا گیا ہے۔

(۳) ہندو اہل علم کی منثور ہندی سیرت نگاری

(۸) حضرت محمد اور اسلام ۲۳

یہ کتاب پہلی بار مختصر اردو زبان میں جبکہ دوسری بار جدید اور قابل فہم ہندی زبان میں شائع ہوچکی ہے۔زیر نظر تحریر میں ہندی متن سے استفادہ کیا گیا ہے۔

اس کتاب پر مشہور مورخ پنڈت بی-این-پانڈے کا ایک مبسوط مقدمہ ہے جس پر ۱۵/۸/ ۱۹۵۱ء کی تاریخ کندہ ہے۔اس کتاب میں آپ ﷺ کی شخصیت اور احادیث کے ذریعہ تعلیمات نبوی کا احاطہ کیا گیا ہے۔مولانا ابوالکلام آزاد اور حسین احمد مدنی کو مصنف نے اصلاح و تائید کی خاطر مسودہ دکھایا تھا۔انصاف پسند مستشرقین کے حوالے بھی پیش کیے گئے ہیں۔کتاب میں عقیدت کے جذبات کا اظہار کیا گیا ہے، تاہم بے شمار کمزور روایات سے بھی مدد لی گئی ہے۔مضامین کتاب کی ذیلی سرخیاں حسب ذیل ہیں:

محمد ﷺ صاحب کا جنم، الامین، حق کی آواز، پہلے پچپن سال، تنہائی میں رہنا، مصیبتوں کے تیرہ سال، مدینے کا حاکم، حدیبیہ کی صلح، یہودیوں اور مسلمانوں میں میل جول، مکے کی فتح، مکے کا آخری سفر، پیغمبر کی شادیاں، محمد صاحب کا رہن سہن، اسلامی حکومت، ہدایتیں، دعائیں، عاقبت، آخرت، جنت اور جہنم۔

یہ کتابچہ پہلی بار مفید سلمی پریس لاہور سے ۱۹۳۳ء میں شائع ہوا۔یہ تحریر دراصل یوم میلاد النبی منعقدہ ۱۹۳۳ء بمقام محمد علی پارک الہ آباد کے موقع پر کی گئی ایک تقریر ہے جس کی صدارت خان بہادر غضنفر خان صاحب نے کی تھی۔

تجزیہ و تبصرہ

سندر لال نے اردو اور ہندی دونوں زبانوں میں صحت اور واقعیت کے ساتھ سیرت نگاری کی کوشش ہے۔البتہ عقیدت میں غلو کا یہ حال ہے کہ بعض کمزور روایات سے بھی انھوں نے استشہاد کرلیا ہے۔مذاہب کے تقابلی مطالعہ کا مصنف کو شوق ہے چنانچہ پنڈت سندر لال نے گیتا اور قرآن کا مطالعہ معروضی انداز میں پیش کیا ہے جو حیدرآباد سے کتابی شکل میں شائع ہوچکا ہے۔انگریزی زبان میں موخرالذکر

کتاب منصفانہ تجزیات پرمبنی گرانقدر تحفہ ہے۔جس کا مفصل تعارف گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔

(۹) اسلام جس سے مجھے عشق ہے[۲۴]

کتاب اصلاً تمل زبان میں ہے، بعد میں ہندی اور اردو میں بھی ترجمہ کی گئی ہے۔اس تحریر میں استفادہ ہندی متن سے کیا گیا ہے۔مسٹر اڈیار ۱۹۳۵ء میں کوئمبٹور کے شہر تر یپورہ میں پیدا ہوئے۔وہ ونوبا بھاوے کے ساتھ بھودان تحریک سے وابستہ رہے۔ڈرامے اور فلموں کے لیے مکالمے بھی لکھے،موصوف تمل زبان کے شعلہ بیان خطیب تھے۔اور روز نامہ Neerottam, Madras کے مدیر اور تمل ناڈو کی برسراقتدار پارٹی کی مجلس عاملہ کے رکن تھے۔ایمرجنسی کے زمانے میں جیل میں مسلمان دوستوں سے ملاقات ہوئی،ان کے کئی اساتذہ مسلمان تھے، میسا کے ڈھائی سالہ دور میں اسلام کا بغور مطالعہ کیا اور رہائی کے بعد ہندو رہتے ہوئے 'اسلام جس سے مجھے عشق ہے' تحریر کیا۔صاحب کتاب مشرف بہ اسلام ہوئے، چند سالوں قبل ان کا انتقال ہو چکا ہے۔عبداللہ اڈیار کے نام سے معروف ہیں۔

کتاب کے مندرجات اس طرح ہیں:

بہترین نمونہ، اجرت پر مویشیوں کو چرانے والا بادشاہ، نراکار کی اُپاسنا (غیر تجسیمی عبادت)، اسلام جس سے مجھے پیار (عشق) ہے۔کیا عیسیٰ مسیح خدا کے بیٹے ہیں،قرآن کی امتیازی صفات، نبی امی، مانو جاتی کا میگنا کارٹا،پیغمبر انسان ہی ہوتے ہیں، اسلام انا دورائی (D.M.K کے بانی) کی نظر میں، ہندو مذہب کے ویدوں نے محمدﷺ کی پیشین گوئی کی ہے،تم سا ہم کسے پائیں؟،آپؐ کے اخلاق کی بلندی، پاکی اور صفائی، اسلام میں عورت کا مقام، کیا اسلام تلوار کے زور سے پھیلا، اسلام کی سزائیں، کمیونزم سے بہتر اور برتر ہے اسلام۔

کتاب کے آخر میں اسلام اور سیرت رسول سے متعلق الزامات اور شکوک کا جواب جناب اڈیار نے پیش کیا ہے۔اور رسول اکرمﷺ کی بے داغ سیرت کا اعتراف کیا ہے۔وہ کہتے ہیں کہ اسلام اور پیغمبر اسلام پر کیچڑ اچھالنے سے قبل اپنا دامن بھی جھانکنا چاہیے۔حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی مصیبتوں کا علاج اسلام ہی ہے،سورج اگر ماند پڑ جائے تو روشنی کہاں سے آئے گی، چشمہ سوکھ جائے تو پانی کا دھارا کہاں سے آئے گا،اسلام شکست کھا جائے تو دنیا اور نوع انسانی کہاں سے دکھوں کا مداوا پائے گی۔[۲۵]

تجزیہ وتبصرہ

صاحب کتاب نے مطالعہ کرنے کے بعد اسلام قبول کیا ہے،مسلمان دوستوں کے ذریعہ ان کی

معلومات میں اضافہ ہوا۔ وہ اسلام کو انسانیت کے دکھوں کا واحد علاج تصور کرتے ہیں۔ سیرت پاک کے تعلق سے لگائے گئے الزامات کا تشفی بخش جواب انھوں نے فراہم کیا ہے۔ یہ کتاب برادران وطن کو مطالعہ کے لیے پیش کی جاسکتی ہے۔

(۱۰) حضرت محمد کا آدرش ۲۶

مقدمہ کتاب اور ابتدائی حصہ میں شری نتھو رام کہتے ہیں کہ محمد ساری انسانیت اور رہتی دنیا تک کے لیے نبی بنا کر بھیجے گئے۔ وہ کہتے ہیں کہ ۴۰ سال تک جن لوگوں کے درمیان محمد مقبول تھے، نبی بنتے ہی دوستوں کی مخالفت کا شکار ہو گئے۔ مصنف اس کتاب میں آپؐ کی اخلاق کریمانہ، دشمنوں کی ایذا رسانی پر معاف کرنے کی صفت کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر عام معافی کے اعلان کو تاریخ کا بے نظیر واقعہ قرار دیتے ہیں۔ ۲۷

تجزیہ وتبصرہ

ہندی زبان میں یہ کتاب تاریخ کا صحیح شعور عطا کرتی ہے۔ صوبہ پنجاب کے مصنف کے قلم سے تصنیف کردہ یہ کتاب اس لائق ہے کہ برادران وطن کو مطالعہ کے لیے پیش کی جائے۔

(۱۱) نراشنس اور آخری رسول ۲۸

ایم اے- ڈی فل سند یافتہ پرکاش جی وید کے متبحر عالم ہیں۔ مصنف موصوف نے 'نر' کے معنی انسان، اور آشنس کے معنی قابل تعریف اور لائق ستائش انسان بتایا ہے۔ اس طرح نراشنس کے معنی قابل تعریف انسان کے ہوتے ہیں۔ رگ وید کے حوالہ سے نراشنس کی تین صفات بیان کرتے ہیں یعنی علم غیب کا عالم، نورانی و پرکشش شخصیت اور پاپوں سے نجات دلانے والا۔ اس کے بعد قابل تعریف شخص کی خوبیاں گناتے ہیں مثلاً وہ عالم ہو، طاقت وقوت کا مالک ہو، اپنے اوپر ضبط کی صلاحیت رکھتا ہو، فخر و غرور سے دور ہو۔ ۲۹ نراشنس کے تعارف میں مزید کہتے ہیں کہ وہ اونٹ کی سواری کرتا ہو، بارہ جوروں والا ہو، سوطلائی سکوں والا، دس مالوں والا، تین سو گھوڑوں والا اور دس ہزار گایوں کا مالک ہو...... مصنف کہتے ہیں کہ تلاش بسیار کے بعد یہ صفات محمد پر چسپاں ہو جاتی ہیں۔ ۳۰

تجزیہ وتبصرہ

کتاب کا اپروچ محققانہ ہے۔ ویدوں کے بیانات کے ذریعہ محمد عربی ﷺ کی تصدیق کرتے ہیں۔ تقابل ادیان پر یہ ایک اچھی تحقیقی کتاب ہے۔

(۴) ہندو اہل علم کی منظوم ہندی سیرت نگاری

متعدد ایسے ہندو اسکالرز ہیں جنھوں نے شاعری کے ذریعہ سیرت نبوی، شمائل نبوی اور تاریخ نگاری کی کوششیں کی ہیں۔ مثلاً ڈاکٹر سگن چند مکتیش نے مہا کاویّہ حضرت محمدﷺ نامی کتاب میں تقریباً ڈھائی ہزار ہندی اشعار لکھے ہیں، یہ کتاب مدھر سندیش سنگم سے ۲۰۰۳ء میں ۱۱۹ صفحات میں شائع ہوچکی ہے۔ اسی طرح دوسری کتاب کا عنوان ہے محمد کھنڈ کاویّے جسے ڈاکٹر رام پرساد مشرا نے تصنیف کیا، اس میں تقریباً ڈیڑھ ہزار اشعار ہیں۔ یہ کتاب بھی مذکورہ ناشر کے ہاں سے ۲۰۰۱ء میں ۱۴۱ صفحات کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ دونوں کتابوں کے اجمالی تعارف سے ہندی شاعری کے ذریعہ سیرت کا ادبی پہلو ہمارے سامنے نکھر کر آتا ہے۔

(۱۲) مہا کاویّے حضرت محمدﷺ ۳۱

کتاب کے مقدمہ میں معروف ہندی مترجم قرآن مولانا محمد فاروق خان کہتے ہیں کہ اب تک سیرت رسول اور تاریخ اسلام کو ہندی شاعری کے قالب میں کسی نے ڈھالنے کی سعی نہیں کی، کیونکہ شاعر کے دل میں خوف ہوتا ہے کہ اس کے اشعار کے ذریعہ کہیں غلط بیانی نہ ہوجائے۔ مترجم قرآن نے اس ہندی شاعری کو جو توازن، خوبصورتی اور صداقت کی ترجمان ہے، تاریخ سے محبت کرنے والوں اور حقیقت کے متلاشیوں کے لیے ایک مایہ ناز علمی ذخیرہ قرار دیا ہے۔ انھوں نے مصنف کے جذبات کی قدر کی ہے اور قافلہ حق وصداقت میں شامل ہونے کی دعا دی ہے۔۳۲

شاعر محترم نے ''اپنی بات'' کے تحت وضاحت کی ہے کہ ۱۹۸۲ء میں انھوں نے چند اشعار سیرت نبوی پر لکھے تھے اور مولانا فاروق خان کے ترغیب دلانے پر درجنوں اردو، انگریزی اور ہندی کتابوں کے مطالعہ سے ۲۰۰۱ء میں اس شعری مجموعہ کو تیار کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ وہ کہتے ہیں کہ حکایت اور تاریخ دانی میں فرق ہے۔ سیرت نبوی، تاریخ ہے اور اس میں حکایت کی مانند خود سے مفہوم متعین نہیں کیا جاسکتا۔ وہ کہتے ہیں کہ محمد صاحب پاکیزہ اخلاق وکردار کے حامل تھے انہیں اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ تھا، وہ تاریکی سے روشنی کی طرف انسانیت کی رہنمائی کرنے آئے تھے۔۳۳

مصنف گرامی ۳/مارچ ۱۹۳۳ء کو راجستھان میں اہلو والیہ خاندان میں پیدا ہوئے، زندگی تعلیم و تعلم میں گزاری۔ درجنوں کتابوں کے مصنف رہے، قومی اعزازات وایوارڈ حاصل کر چکے ہیں۔ ان کی بعض کتابوں کے عنوانات یہ ہیں: روشنی کی تلاش، دیپ جلے گا، میں نے نہیں لکھا، مہا بھارت وغیرہ۔

ہندوسماج میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

کتاب کے مندرجات اس ترتیب سے موجود ہیں:

عہد جاہلیت، رسالت میں جبرئیل امین کا واسطہ، مکہ کی جغرافیائی حیثیت، خانوادہ عبدالمطلب میں محمد کا ورود مسعود، حلیمہ کا دودھ پلانا، آٹھ سال میں عبدالمطلب کا انتقال، عیسائی پادری بحیرہ کا محمد کو دیکھ کر پیشین گوئی کرنا، خدیجہ کی تجارت میں محمد کا ساتھ دینا، عیسائی پادری نستورا نے محمد کی نبوت کی پیشین گوئی کی۔ غار حرا میں آمدورفت، حضرت جبرئیل کے ذریعہ نبوت کی خوشخبری، حضرت خدیجہ کا قبول اسلام، نماز کی ترکیب کی تعلیم، اولین صحابہ کا قبول اسلام، ابوطالب و خدیجہ کا انتقال، ہجرت حبشہ، طائف جانا، مدینہ کا سفر، مسجد نبوی کی تعمیر، غزوات، شادیاں، بنو قریظہ کی دغابازی، صلح حدیبیہ، حجۃ الوداع، فتح مکہ، ایک لاکھ انسانوں سے خطاب، پیغام نبوی، مکی لوگوں کو ہدایات، جنت کی طرف روانگی۔

تجزیہ وتبصرہ

اس کتاب میں صحیح عقیدے کے مطابق تاریخ وسیرت نگاری کو ہندی شاعری کا قالب عطا کیا گیا ہے۔ البتہ جابجا غلو کی کیفیت پائی جاتی ہے جیسا کہ آج مسلمانوں کا ایک مخصوص طبقہ نعت گوئی میں مبالغہ آرائی کے ذریعہ توحید اور شرک کے حدود کو پامال کر رہا ہے۔

(۱۳) محمد کھنڈ کاویّے ۳۴

مضامین کتاب کی تفصیل اس طرح ہے:

سپاس نامہ، عرب کی جاہلیت پر ۵۷/اشعار، پیغمبر محمدؐ پر ۹۶/اشعار، مدینہ کی تعریف میں ۱۴۸/اشعار، پریوار کا تعارف ۱۵۷/اشعار کے اندر، قرآن کی تمام سورتوں کا خلاصہ ۷۰۰/اشعار کے اندر، ہجرت مدینہ کی کیفیت ۱۵۶/اشعار میں، دنیا میں اسلام کے فروغ میں صحابہ کرام کا کردار ۱۰۰/اشعار میں، اسلامی عقائد کا بیان ۸۰/اشعار کے اندر۔

تجزیہ وتبصرہ

اس ہندی شعری مجموعہ میں پوری سوانح عمری، تعلیمات نبوی اور قرآنی احکامات کو سمو دیا گیا ہے۔ جگہ جگہ حواشی میں مفہوم کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔ مثلاً کافر کی تعریف کی گئی ہے کہ جو اللہ ورسول کو نہ مانتا ہو، اسی طرح آل عمران کی بابت کہتے ہیں کہ یہ نام موسیٰ کے باپ کا بھی تھا، وغیرہ۔ محمد ﷺ کو رام، کرشنا اور عیسیٰ سے زیادہ محترم قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ بدھ اور مہاویر نے خدا کی وحدانیت کا انکار کیا ہے۔ یہ

کتاب ہندوعطایا میں اہمیت کی حامل ہے۔مولانا فاروق خان نے مخطوطہ کا مطالعہ کیا اور اصلاح کی جس کا شکریہ صاحب کتاب نے 'نویدن' میں کیا ہے۔

حواشی و تعلیقات

۱ شردھے پرکاش دیو جی پرچارک مرامھہ دھرم،مطبوعہ نول کشور پرنٹنگ ورکس لاہور،۱۹۱۰ء،کل صفحات ۱۳۶

۲ شردھے پرکاش،سوانح عمری حضرت محمدﷺ صاحب بانی اسلام،۱۹۱۰ء،محولہ بالا،ص۶

۳ شردھے پرکاش،سوانح عمری حضرت محمدﷺ صاحب بانی اسلام،۱۹۱۰ء،محولہ بالا،ص۳

۴ شردھے پرکاش،سوانح عمری حضرت محمدﷺ صاحب بانی اسلام،۱۹۱۰ء،محولہ بالا،ص۲۴

۵ شردھے پرکاش، سوانح عمری حضرت محمدﷺ صاحب بانی اسلام، ۱۹۱۰ء، محولہ بالا، ص ص۲۸-۳۰

۶ شردھے پرکاش،سوانح عمری حضرت محمدﷺ صاحب بانی اسلام،۱۹۱۰ء،محولہ بالا،ص۵۶

۷ شردھے پرکاش،سوانح عمری حضرت محمدﷺ صاحب بانی اسلام،۱۹۱۰ء،محولہ بالا،ص۵۹

۸ شردھے پرکاش،سوانح عمری حضرت محمدﷺ صاحب بانی اسلام،۱۹۱۰ء،محولہ بالا،ص۸۴، ۹۸،۱۰۵

۹ شردھے پرکاش، سوانح عمری حضرت محمدﷺ صاحب بانی اسلام، ۱۹۱۰ء، محولہ بالا، ص ص۷۰-۷۹

۱۰ اردت سنگھ دارا، بیرسٹرایڈوکیٹ لاہور ہائی کورٹ،ایڈیٹرانڈیا لندن، باہتمام مسعود علی ندوی، مطبوعہ معارف پریس اعظم گڑھ،غیر مورخہ،کل صفحات ۱۲۴

۱۱ سوامی لکشمن،مکتبہ الحسنات،دہلی ۱۹۹۰ء،کل صفحات ۴۱۴

۱۲ سوامی لکشمن،۱۹۹۰ء،محولہ بالا،ولادت باسعادت

۱۳ مالک رام،مکتبہ جامعہ،نئی دہلی،۱۹۸۴ء،کل صفحات ۱۸۴

۱۴ مسٹراین-سی-مہتا،آئی سی ایس،در:ماہنامہ زمانہ،کانپور،جولائی ۱۹۳۵ء

۱۵ اسلامیان ہند، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، مرتبہ عابد رضا بیدار، پٹنہ، ۱۹۹۳ء، ص۱-۱۹، نیز دیکھیں شیث اسماعیل،۲۰۰۲ء،ص۴۱، ۵۲

۱۶ بشمبر ناتھ پانڈے، طباعت،۱۹۹۴ء
۱۷ مہارشی دیانندسرسوتی، نئی دہلی، سارودیشک آریہ پرتی ندھی سبھا- مہرشی دیانند بھون، رام لیلا میدان، ۱۹۳۹ء، کل صفحات ۵۶۸
۱۸ ستیارتھ پرکاش، دیانندسرسوتی، ۱۹۳۹ء، ص۵۱۵
۱۹ ستیارتھ پرکاش، دیانندسرسوتی، ۱۹۳۹ء، ص۵۱۶
۲۰ ستیارتھ پرکاش، دیانندسرسوتی، ۱۹۳۹ء، ص۵۱۷
۲۱ ستیارتھ پرکاش، دیانندسرسوتی، ۱۹۳۹ء، ص۵۲۰
۲۲ ستیارتھ پرکاش، دیانندسرسوتی، ۱۹۳۹ء، ص۵۵۹
۲۳ سندرلال، ۱۴۵ مٹھی گنج الہ آباد، مطبع نیاہند پریس، کل صفحات ۱۷۳
۲۴ مسٹراڈیار، دہلی، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی، نومبر ۱۹۸۲ء، کل صفحات ۸۸
۲۵ اڈیار، ۱۹۸۲ء، چندوضاحتیں، آخری حصہ کتاب ہذا
۲۶ شری نتھورام، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی، ۱۹۷۸ء، صفحات ۷۱
۲۷ دیکھیے کتاب مذکور، صفحات (۳، ۱۷، ۱۸، ۶۸، ۶۹ تا ۷۱)
۲۸ پنڈت وید پرکاش اپادھیائے، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، اردو ترجمہ از وصی اقبال
۲۹ نراشنس اور آخری رسول، ص ص ۹-۱۰
۳۰ نراشنس اور آخری رسول، ص ص ۵۳، ۶۰
۳۱ ڈاکٹر سگن چند مکتیش، مہا کاویّے حضرت محمد، مدھر سندیش سنگم، نئی دہلی، ۲۰۰۳ء
۳۲ ڈاکٹر سگن چند مکتیش، مہا کاویّے حضرت محمد، مدھر سندیش سنگم، نئی دہلی، ۲۰۰۳ء، ص دوشبد
۳۳ ڈاکٹر سگن چند مکتیش، مہا کاویّے حضرت محمد، مدھر سندیش سنگم، نئی دہلی، ۲۰۰۳ء، ص اپنی بات
۳۴ ڈاکٹر رام پرساد مشرا، نئی دہلی، پریاس پرکاشن، ۲۰۰۱ء، کل صفحات ۱۴۱

علامہ اقبالؒ کے تہذیبی افکار

ضمیر الحسن خاں فلاحی،لکھنؤ،موبائیل نمبر:07417449612

بیسویں صدی میں عالم اسلام کے فکری نقشہ پر نظر ڈالیں تو شاعر مشرق علامہ اقبال (۱۹۳۸-۱۸۷۷) کا نام متعدد پہلوؤں سے نمایاں نظر آتا ہے۔اقبال نے مغربی افکار وتہذیب اور فلسفہ ونظریات کا جس دقت نظر سے مطالعہ کیا اور اس کے کمزور و ناقص پہلوؤں کی نشاندہی کر کے اسلامی تہذیب اور اسلامی تصور حیات کی برتری کو جس انداز میں واضح ومبرہن کیا، یہ دور جدید کی فکری تاریخ کے روشن باب کی حیثیت رکھتا ہے۔

یوں تو علامہ اقبال کی تنقید مغرب،اسلامی فکر کے ایک اہم باب کی حیثیت رکھتی ہے اور آئندہ ایک عرصہ تک اس کی علمی اہمیت برقرار رہے گی (ان شاءاللہ)،مگر موجودہ عالمی منظر نامہ نے اقبال کی تنقید کو خصوصی اہمیت کا حامل بنا دیا ہے۔انیسویں صدی میں جب مسلمانوں کا مختلف مغربی طاقتوں سے سابقہ پیش آیا تو مغربی تہذیب کے بارے میں عموماً دنیائے اسلام کی طرف سے تین رویے سامنے آئے:

۱۔ایک یہ کہ انتہائی اخلاص کے ساتھ مغرب کی ہر چیز سے دور رہ کر اپنے آپ کو مسجد وخانقاہ کی محفوظ پناہ گاہ میں قید کر لینا ہی اسلامی زندگی اور اسلامی تہذیب کی بقا وتحفظ کی ضامن ہے۔

۲۔دوسرا رویہ جو پہلے رویہ کی عین ضد تھا، وہ مغرب کے سامنے مکمل خودسپردگی اور ہم آہنگی کا تھا۔

۳۔اس ضمن میں تیسرا رویہ آزادانہ اکتساب واستفادہ کا معتدل اور متوازن رویہ تھا،جس کے نمایاں اور مؤثر داعی حکیم الامت ڈاکٹر علامہ اقبال تھے۔ سچی بات یہ ہے کہ بیسویں صدی کی اسلامی فکر اسی تیسرے متوازن رویہ کے ظہور سے عبارت ہے۔(محمود احمد غازی،اقبال اور تنقید مغرب، ماہنامہ دعوۃ-اسلام آباد،نومبر ۲۰۰۲ء-ص:۲۴)

ڈاکٹر اقبال نے مغربی فکر وفلسفہ کا غائر مطالعہ کیا تھا،مغربی اساتذہ سے اکتساب فیض کیا تھا،مغربی تہذیب کے سمندر میں غواصی کی تھی اور مغربی مفکرین سے بالمشافہ تبادلۂ خیال کیا تھا،شاید اسی کا اثر تھا

کہ مغربی تہذیب و تعلیم کے سمندر میں قدم رکھتے وقت وہ جتنے مسلمان تھے، اس کے منجدھار میں پہنچ کر اس سے زیادہ مسلمان ہو گئے۔ یہاں تک کہ اس کی تہہ میں جب پہنچے تو دنیا نے دیکھا کہ وہ قرآن میں پوری طرح گم ہو چکے ہیں، وہ جو کچھ سوچتے ہیں، جو دیکھتے ہیں، حقیقت اور قرآن ان کے نزدیک شئ واحد ہے۔

اقبال نے مغربی تہذیب کا ہمہ پہلو جائزہ لیا ہے لیکن ان کی تنقید کا غالباً سب سے قوی اظہار مغرب کے نظریہ لادینیت یعنی Secularism کے سلسلہ میں ہوتا ہے۔ لادینیت مغرب کے تصور علم اور تہذیبی نصب العین کا لازمی عنصر ہے۔

اقبال کے نزدیک لادینیت Secularism کی تعریف یہ ہے ''رسم لادینی یعنی نظام امور سیاست میں دین سے بے تعلق ہو جانا''۔ یہ بے تعلقی ایسی تلوار ہے جس کا شکار خود مغرب بھی ہے اور آج انسانوں کی بیشتر مشکلات کا سبب یہی لادینی ہے۔ جب دین و مذہب کو سیاست اور امور سیاست سے الگ اور لاتعلق کر دیا جاتا ہے تو انسان محض ایک جسمانی وجود رہ جاتا ہے اور اس کی حیثیت صرف ایک مشت خاک اور مجموعۂ آب و گل کی رہ جاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زندگی کا سارا کارواں بے مقصد، بے منزل اور بے ہدف قرار پاتا ہے۔ علوم و فنون کے اس لادینی تصور کی بنیاد پر جو تہذیب کھڑی ہوگی وہ ان تمام مفاسد کا مجموعہ ہوگی جو مذہب اور اخلاق سے دوری کے نتیجہ میں ظاہر ہوتے ہیں۔

اقبال کو فرنگی تہذیب سے جو بڑی بڑی شکایات ہیں، وہ یہ ہیں:

۱۔ مادہ پرستی

۲۔ خدا بےزاری

۳۔ لااخلاقیت

۴۔ اس کا روحانی و اخلاقی افلاس

(حوالہ سابق، ص: ۳۶-۳۸)

مذکورہ بالا چاروں عناصر سے متعلق اقبال کے خیالات ان کے منظوم کلام اور نثری تحریروں میں بکثرت موجود ہیں۔ ان موضوعات پر اپنے خیالات کے اظہار کے لیے اقبال نے استعارہ، کنایہ، رمز اور دیگر اسالیب کا بھرپور طریقہ سے استعمال کیا ہے۔ کہیں تن و شکم کو مادیت کے رمز کے طور پر استعمال کیا ہے اور کہیں دل و من کو روحانیت کے طور پر۔

اقبال کے خیال میں تن کی دنیا موج و مستی اور جذب و شوق کی دنیا ہے اس کے برعکس من کی دنیا

تمام تر سود و سودا اور مکر و فریب سے عبارت ہے۔

مغربی تہذیب کی لا اخلاقیت اور روحانی افلاس ان کی دو نظموں میں خاص طور سے موضوع بحث بنا ہے۔ بال جبریل کی طویل نظم ''لینن خدا کے حضور میں'' اور پیام مشرق کے نقش فرنگ کی نظم ''پیام'' میں، انہوں نے کمال وضاحت کے ساتھ بتایا کہ بظاہر اہل مغرب علم و تدبر اور حکومت و مساوات کے علم بردار معلوم ہوتے ہیں لیکن دراصل ان خوش نما پردوں کے پیچھے وہ قوموں کا لہو پی رہے ہیں۔ تہذیب فرنگ مشرق میں جہاں جہاں گئی وہاں بے روزگاری، عریانی، فحاشی، مے خواری اور فقر و افلاس کے تحفے دے کر گئی ہے۔ اقبال کہتے ہیں:

یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیواں ہے یہ ظلمات
ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے
سود ایک کا لاکھوں کے لیے مرگ مفاجات
یہ علم یہ حکمت یہ تدبر یہ حکومت
پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات
بیکاری و عریانی و مے خواری وافلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کے فتوحات
وہ قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم
حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات
ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات
(بال جبریل، لینن خدا کے حضور میں)

ایک جگہ اقبال مغربی تہذیب کے خلاف جدوجہد میں حضور رسالت مآب ﷺ سے مدد کے طالب بن کر عرض کرتے ہیں:

مجھے تہذیب حاضر نے عطا کی ہے وہ آزادی
کہ ظاہر میں تو آزادی ہے باطن میں گرفتاری

تو اے مولائے یثرب آپ میری چارہ سازی کر
میری دانش ہے افرنگی مرا ایماں ہے زناری
(بال جبریل،۱۴)

کہیں مغربی طرز معاشرت پر اپنے اضطراب کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

کوئی پوچھے حکیم یورپ سے
ہند و یوناں ہیں جس کے حلقہ بگوش
کیا یہی ہے معاشرت کا کمال
مرد بے کار و زن تہی آغوش
(ضرب کلیم۔ایک سوال)

نہ کر افرنگ کا اندازہ اس کی تابناکی سے
کہ بجلی کے چراغوں سے ہے اس جوہر کی براقی
(بال جبریل،۳۶)

حیات تازہ اپنے ساتھ لائی لذتیں کیا کیا
رقابت، خود فروشی، ناشکیبائی، ہوسناکی
(بال جبریل،تہذیب حاضر،تضمین بر شعر فیضی)

اقبال کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے گرچہ اپنے علمی سفر کا آغاز کالج اور یونیورسٹی میں انگریز اساتذہ سے کیا اور بحر علم کی شناوری کے لیے یورپ گئے، مگر ابتدائی تربیت کا اثر تھا کہ وہاں بھی پی ایچ ڈی کے لیے ''ایران میں مابعد الطبعیات کا ارتقاء'' کا موضوع منتخب کر کے اسلام کے مطالعہ کا موقع پیدا کر لیا اور یورپ میں اپنے خطبات کے ذریعہ توحید کی اذان دی۔

انہوں نے مغرب میں رہ کر وہاں کی تہذیب اور نظریات کے قلعہ کی دیواروں میں رخنے پیدا کیے۔ وہ بے دین سیاست کے شدید مخالف بلکہ دشمن تھے۔ اسے انسانی معاشرہ کے لیے تباہ کن اور چنگیزی سے تعبیر کرتے تھے۔

اقبال کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ انہوں نے مغرب کے سامنے کبھی بھی معذرت خواہانہ انداز اختیار نہیں کیا اور مغربی تہذیب، وہاں کی سیاست اور مغربی فنکار پر انتہائی جرأت و بے خوفی سے پے در پے

حملے کیے کہ مغرب کو پسپا ہوکر خود اپنے گھر میں دفاع کرنا مشکل ہو گیا۔

اقبال نے تہذیب الحاد کے تمام عناصر پر الگ الگ نقد کر کے ثابت کیا کہ ان میں سے کوئی چیز انسانیت کے لیے نفع بخش نہیں ہے۔ مادیت، جمہوریت، اشتراکیت، قومیت سب ان کے نزدیک انسان کے لیے تباہ کن ہیں اور جدید لادینی تہذیب نے انہی تحریکوں کے ذریعہ اسلامی تشخص کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کی ہے۔

مغربی استعمار نے انسانی قدروں کو پامال کرنے اور اس کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے لیے جو مہلک ترین نظریہ پیش کیا وہ یہی نظریۂ قومیت ہے۔ اقبال کے خیال میں یہ نظریہ دنیا میں نفرت اور فساد کی بنیاد ہے۔ وہ کہتے ہیں:

اقوام جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے
تسخیر ہے مقصود تجارت تو اسی سے
خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے
کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے

(بانگ درا، وطنیت)

علامہ کو یقین تھا کہ قومیت یا نیشنل ازم کا مقصد مسلمانوں کی وحدت کو ختم کر کے انہیں انتشار وافتراق کے حوالہ کرنا ہے، چنانچہ نیشنلزم کی مذمت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

Very early from the writing of the European scholars. I had come to know that the basic scheme of western imperialism was to dismember the unity of the muslim world by popularising territorial nationalism among its various components.

(خالد علوی۔ علامہ اقبال اور مسلم تشخص۔ ماہنامہ دعوۃ، اسلام آباد۔ نومبر ۲۰۰۲ ص: ۵۲،۵۱)

اقبال کے مطابق جدید انسان پر قومیت کا اتنا اثر ہے کہ وہ اسے دیوی کے طور پر پوجتا ہے اگر اس کی یہی حالت رہی تو انسانی زندگی میں مذہب کی بقا کا کوئی امکان نہیں ہے۔ (خالد علوی۔ علامہ اقبال اور مسلم تشخص، ماہنامہ دعوۃ، اسلام آباد، نومبر ۲۰۰۲، ص: ۵۲،۵۱)

مغربی تہذیب کے عملی نتائج کو مغربی معاشرت میں چلتا پھرتا دیکھ کر انہیں یہ سمجھنے میں ذرا بھی دشواری نہیں ہوئی کہ مغربی تہذیب کا پیرہن ہی دراصل مذہب کا کفن ہے، وہ کہتے ہیں:

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

(حوالہ سابق)

اس کے برخلاف اقبال نے جو تصور پیش کیا وہ ملت یا یونیورسلزم کا تصور ہے جس کی بنیاد مذہب پر ہے، لکھتے ہیں:

"Islamic out-look or nationalism is based on the unity of languages, oneness of territory, or economic affinities. we belong to one family wich was founded by the Holy Prophet, and our membership of it rests on common - belief about the manifastations of univers and the historical traditions which we all share togehter.

(خالد علوی، علامہ اقبال اور مسلم تشخص۔ ماہنامہ دعوۃ، اسلام آباد، ص:۵۲)

اسی بات کو وہ اپنی شاعری میں یوں ادا کرتے ہیں:

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک ونسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری
دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

(بانگ درا، مذہب)

مسلم معاشرہ کی ایک عام بیماری یہ ہے کہ وہ پیش آمدہ مصیبت کو تقدیر کا بہانہ بنا کر بیٹھ رہتا ہے جس کی وجہ سے حالات سے پنجہ آزمائی کا حوصلہ پست سے پست تر ہو جاتا ہے۔

اقبال نے بڑے نفسیاتی انداز میں اس بیماری کا علاج کیا اور مسلم امت کو پیغام دیا کہ تم ایک قرآنی امت ہو، تمہارا دستورالعمل اللہ کی کتاب ہے، تم شاہین ہو مگر کرگسوں میں رہ کر شاہ بازی کی رہ و رسم سے بے خبر ہو گئے ہو، کہتے ہیں:

عمل سے فارغ ہوا انساں
بنا کے تقدیر کا بہانہ

ایک آفاقی تہذیب کے سلسلہ میں اقبال کا جو تصور تھا وہ یہ کہ جدید دنیا کو ایک نئی تہذیب کی ضرورت ہے، پھر یہ تہذیب ایک آفاقی تہذیب ہونی چاہیے۔ اور اس تہذیب کا منبع و مصدر اسلام کا نظریہ تہذیب ہی ہوسکتا ہے۔ یہی نظریہ انسان کی ہمہ جہتی اور متوازن ترقی کا ضامن ہوسکتا ہے۔

اقبال نے اس خاص تصور کے ساتھ مغربی تہذیب کا مطالعہ کیا تو اس میں انہیں ایسے عیوب ونقائص نظر آئے جو بنی نوع انسان کے لیے ہلاکت کا باعث ہوسکتے ہیں۔ اقبال نے ان نقائص کی نشاندہی کی، چنانچہ جنگ عظیم اول کے زمانہ میں، انقلاب اشتراکیت کے موقع پر مغربی تہذیب پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

یورپ میں بہت روشنی علم وہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمۂ حیواں ہے یہ ظلمات
چہروں پر جو سرخی سی نظر آتی ہے سرشام
یہ غازہ ہے یا ساغر ومینا کی کرامات

(بال جبریل، لینن خدا کے حضور میں)

مغربی تہذیب کے ایک اور شعبۂ جمہوریت کو بھی نشانہ بنایا اور کہا:

ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری
دیو استبداد جمہوری قباء میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
مجلس آئین واصلاح ورعایات وحقوق
طب مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری

گرمیِ گفتار اعضائے مجالس الاماں
یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگِ زرگری

(بانگ درا،خضر راہ،سلطنت)

قانون معاشرت اور جنسی توازن یا بقول اقبال ''فلسفہ زن'' کسی تہذیب کا بنیادی پتھر ہوا کرتا ہے، اس لیے اس کی اصلاح ودرستی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تہذیب نے معاشرہ میں وہ جنسی توازن پیدا کیا جس سے انسان اپنی خواہشات کے زیر اثر وحشت وحیوانیت میں مبتلا نہ ہو اور جس کا لحاظ نہ کرنے کے نتیجہ میں مغربی تہذیب نے پورے پورے معاشرہ کو غارت کر کے رکھ دیا ہے۔ نتیجتاً عورت ایک کھلونا اور اس کی نسوانیت تماشہ بن کر رہ گئی ہے۔ اقبال نے اس صورت حال کا انتہائی بصیرت مندانہ جائزہ لیا ہے اور مغربی دانشوروں سے سوال کیا ہے:

کیا یہی ہے معاشرت کا کمال
مرد بے کار و زن تہی آغوش

علامہ کا یہ سوال جدید عہد کی نام نہاد روشن خیالی کا پردہ چاک کرتا ہے جس کے نتیجہ میں خاندانی نظام درہم برہم اور اولاد آغوش مادر سے محروم ہو رہی ہے، اس صورت حال میں ایک اہم مسئلہ پردہ کا مسئلہ ہے جس پر اقبال نے عالمانہ گفتگو کی اور کہا:

ابھی تک ہے پردے میں اولاد آدم
کسی کی خودی آشکارا نہیں ہے

اور

رسوا کیا اس دور کو جلوت کی ہوس نے
روشن ہے نگہ ، آئینہ دل ہے مکدر
بڑھ جاتا ہے جب ذوق نظر اپنی حدوں سے
ہوجاتے ہیں افکار پراگندہ وابتر
خلوت میں خودی ہوتی ہے خود گیر ولیکن
خلوت نہیں اب دیر وحرم میں بھی میسر

(ضرب کلیم،خلوت)

دور جدید کی بے مہار اور بے حیا آزادیٔ نسواں جو مغرب کے ''مردان خردمند'' نے ایک ظالمانہ مذاق کے طور پر تجویز کی ہے، اقبال کے نزدیک ایسے مرد بے بصیرت ہونے کے ساتھ ساتھ بے حیا اور سماج میں فتنہ وفساد کا باعث ہیں۔ انہوں نے نسائیت کو غارت اور مساوات مرد وزن کے نام پر معاشرہ کو تباہ کن عدم توازن سے دوچار کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

کیا چیز ہے آرائش و قیمت میں زیادہ
آزادی نسواں کہ زمرد کا گلوبند

(ضرب کلیم، آزادی نسواں)

اور واقعہ بھی یہی ہے کہ عورت کی حفاظت مرد کی مردانگی کے صحیح تصور کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ ضبط نفس اور جنسی تعلق میں عصمت وعفت کا لحاظ اس کا جزو لازم ہے۔

نے پردہ ، نہ تعلیم نئی ہو کہ پرانی
نسوانیتِ زن کا محافظ ہے فقط مرد

(ضرب کلیم، عورت کی حفاظت)

ظاہر ہے اقبال کا مقصد پردے کی مخالفت اور تعلیم کی اہمیت کا انکار نہیں ہے۔ ان کا اصل مقصد آج کے مردوں کے غلط ذہن وکردار کی اصلاح ہے۔ وہ تہذیب فرنگ کو ''مرگ امومت'' اور انسانیت کی موت سے تعبیر کرتے ہیں۔ (عمر حیات خان غوری۔ اقبال اور مودودی، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی۔ ۱۹۸۱۔ص:۵۵)

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اسی علم کو ارباب نظر موت

(ضرب کلیم، عورت اور تعلیم)

تہذیبی اقدار کے اظہار کا ایک اہم وسیلہ ادبیات اور فنون لطیفہ ہیں۔ ادب، موسیقی، مصوری، رقص سارے فنون تہذیب کے عناصر ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ ان کی نوعیت وحقیقت کیا ہے اور تہذیب وانسانیت کی مسلمہ قدروں پر ان کا اثر کیا پڑتا ہے؟ اقبال کی نظر میں دور حاضر میں یہ فنون تہذیب کو تباہ کرنے کی ''خدمت'' سرانجام دے رہے ہیں، ان کا معیار پست اور اصل مقصد بدل گیا ہے اور اب وہ انسان کے ذہن وکردار اور ذوق وشوق کی تعمیر کے بجائے تخریب کا سبب بن رہے ہیں، اقبال کہتے ہیں:

اے اہل نظر ذوق نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ سمجھے وہ نظر کیا
مقصود ہنر سوز حیات ابدی ہے
یہ ایک نفس یا دونفس مثل شرر کیا
جس سے دل دریا متلاطم نہیں ہوتا
اے قطرۂ نیساں وہ صدف کیا وہ گہر کیا
شاعر کی نوا ہو کہ مغنی کا نفس ہو
جس سے چمن افسردہ ہو وہ باد سحر کیا
بے معجزہ دنیا میں ابھرتی نہیں قومیں
جو ضرب کلیمی نہیں رکھتا ہو ہنر کیا

(ایضاً،فنون لطیفہ)

گزشتہ تقریباً دوصدیوں سے ایک عالمی تہذیب کی تشکیل کی پیہم سعی ہورہی ہے۔ یورپی سامراج کی فتوحات ہوں یا امریکی سرمایہ داروں اور روسی اشتراکیت، سب کا مطمح نظر یہی ہے اور اب نیو ورلڈ آرڈر سے امریکہ کی مراد بھی ایک عالمی تہذیب کی تشکیل ہے۔

اقبال تاریخ کے رجحانات سے بخوبی واقف اور حال سے بڑھ کر مستقبل کے افق پر دور تک دیکھ رہے تھے۔ وہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ وحدت انسان کی کوئی نظریاتی بنیاد یورپ و امریکہ کے فلاسفہ کے پاس نہیں ہے۔ ان کے پاس کوئی ایسا اخلاقی اصول تھا اور نہ اب ہے جو پوری انسانیت کو متحد کرنے والا کوئی تہذیبی نظریہ دنیا کے سامنے پیش کر سکے۔

اقبال نہ صرف ایسے نظریہ سے آگاہ بلکہ اس کے علم بردار تھے لہٰذا انھوں نے عالمی تہذیب کی تعمیر وتشکیل کے لیے اپنا پیغام دنیا کے سامنے پیش کیا۔

اس دور میں اقوام کی صحبت بھی ہوئی عام
پوشیدہ نگاہوں سے رہی وحدت آدم
تفریق ملل حکمت افرنگ کا مقصود
اسلام کا مقصود فقط ملت آدم

مکے نے دیا خاک جنیوا کو یہ پیغام
جمعیت اقوام کہ جمعیت آدم

(ضرب کلیم، مکہ اور جنیوا)

یعنی وحدت آدم، ملت آدم اور جمعیت آدم کے لیے کائنات میں صرف ایک ہی تصور ہے اور وہ تصور، اسلام کا تصور توحید ایک خدا اور ایک انسان کا تصور ہے جو ایک عالمی نظام، تہذیب وحریت کے لیے بھی، اخوت کے لیے بھی اور مساوات کے لیے بھی۔ یہ آفاقی تصور اور آفاقی اصول، فطرت کا قانون ہے جس کے مطابق انسان کی تخلیق ہوئی ہے "فطرة الله التی فطر الناس علیها".

اس سے مراد وہ عالمی نظام ہے جس کی تشکیل ایک کائناتی نظریہ زندگی سے ہوئی ہے، ایسے ہی نظریہ ونظام سے تہذیب اور انسانیت کی وہ لازوال قدریں فروغ پاتی ہیں جو تمدن کو کامل توازن کے ساتھ عروج تک پہنچاتی ہیں، یہ آدمیت کی معراج ہے جس سے بلند تر ارتقاء کا تصور نہیں کیا جا سکتا اور اس نکتہ کا ادراک کوئی بھی حقیقت پسند انسان کی بصیرت مندانہ غور وفکر سے بآسانی کر سکتا ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ عالمی اور آفاقی تہذیب کے لیے اقبال کا نصب العین اسلام کا نظریہ ہے جو تمام انسانوں کے لیے عام ہے۔ کسی علاقہ، فرقہ اور طبقہ کی اس پر اجارہ داری نہیں ہے، کوئی بھی اسے اختیار کر کے اپنے فروغ آدمیت کے عروج کا سامان کر سکتا ہے۔ یہ قانون قدرت ہے جس کی خلاف ورزی کسی کو راس نہیں آئی۔ موجودہ تہذیب کے ثمرات اس کی کھلی شہادت ہیں جس کی خرابی سے انکار ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا اس کا نعم البدل تلاش کرنا انسانیت کی شدید ترین ضرورت ہے، وہ نعم البدل اسلام اور اسلامی تہذیب ہی ہو سکتا ہے۔

زمانہ ایک، حیات ایک، کائنات بھی ایک
دلیل کم نظری ہے قصۂ قدیم وجدید

(ضرب کلیم، علم اور دین)

ایک خاص وصف جوان کے پورے کلام (نظم ونثر) میں بہت نمایاں طور سے نظر آتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ اس صدی کے رجل قرآن اور شیدائے قرآن ہیں اور ہر مسئلہ کا حل قرآن پاک میں تلاش کرتے ہیں اور اسی کی دعوت دیتے ہیں۔ چنانچہ مغربی تہذیب کے فلسفیانہ سوالات اور مغربی افکار کے اعتراضات کے لیے بھی قرآن مجید کو ہی کافی سمجھتے ہیں۔ بقول خلیفہ عبدالحکیم:

''علامہ کا عقیدہ تھا کہ انسانی زندگی کے مزید ارتقاء میں کوئی دور ایسا نہیں آسکتا جس میں قرآنی حقائق کا نیا انکشاف ترقی حیات میں ان کی رہبری نہ کرسکے۔ زندگی کی نو بہ نو صورتیں پیدا ہوتی جائیں گی مگر قرآن پاک کے اساسی حقائق کبھی دفتر پارینہ نہ ہوں گے۔'' (ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، فکر اقبال۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ۔۲۰۰۲، ص:۸۴)

علامہ کے قرآن سے شغف کا عالم یہ تھا کہ:

ترے ضمیر پر جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

(بال جبریل،۶۰)

واقعہ یہ ہے کہ نزول کتاب کا تصور جتنا عمیق ہوگا، قرآن کے معانی ومفاہیم کا ادراک اتنا ہی آسان ہوگا۔ قرآن مجید تمام علوم وحقائق کا مخزن ہے۔ ان کی رہنمائی کے لیے جس قدر ضرورت ہوسکتی ہے، اس میں اس کا سامان فراہم کردیا گیا ہے۔ ''واٰتاکم من کل ماسألتموہ''۔

بحرالعلوم کا لفظ اگر کسی کتاب کے لیے موزوں ہوسکتا ہے تو وہ یہی قرآن ہے۔ اقبال نے اپنی پوری زندگی قرآنی معارف کی تحصیل اور تشریح وتبلیغ میں لگادی کہ یہی اسلام اور اسلامی تہذیب کا اصل اور بنیادی مأخذ ہے۔

دینی وسماجی بیداری میں مساجد کا رول

ابوالاعلیٰ سید سبحانی

اسلام کے پیش نظر جس معاشرے کی تشکیل ہے اس معاشرے میں مساجد کا رول کلیدی اہمیت کا حامل ہے۔ اسلامی معاشرہ مسجد سے گہری وابستگی رکھتا ہے اور اس کی طرف بار بار رجوع ہوتا ہے، رب سے اپنے تعلق کو مضبوط اور خوب مضبوط کرنے کے لیے بھی اور بندوں کے ساتھ اپنے تعلقات کو درست اور مطلوبہ انداز میں جاری رکھنے کے لیے بھی۔ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں مساجد کے ساتھ مومنین کا یہ تعلق اور یہ وابستگی بہت ہی پسندیدہ اور مقبول ہوتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سات قسم کے لوگوں کو اپنے عرش کے سایے میں جگہ دے گا، جس دن عرش الٰہی کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا، کوئی سہارا نہیں ہوگا، اس میں ایک وہ شخص ہوگا جس کا دل مساجد سے مستقل طور پر وابستہ رہتا ہے۔

(سبعة يظلهم الله فى ظله يوم لا ظل الا ظله: امام عادل، وشاب نشأ فى عبادة الله، ورجل قلبه معلق بالمساجد، ورجلان تحابا فى الله؛ اجتمعا عليه وتفرقا عليه، ورجل دعته امرأة ذات منصب وجمال، فقال انى اخاف الله، ورجل تصدق بصدقة، فاخفاها حتى لاتعلم شماله ماتنفق يمينه، ورجل ذكر الله خاليا ففاضت عيناه۔ متفق عليه)

قرآن مجید میں مساجد کی آبادکاری کو ایمان کے ساتھ مربوط کرکے پیش کیا گیا ہے:

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ أَن يَعْمُرُواْ مَسَاجِدَ الله شَاهِدِيْنَ عَلَى أَنفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ أُوْلَئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ وَفِيْ النَّارِ هُمْ خَالِدُوْنَ۔ إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّهِ مَنْ آمَنَ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلاَةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلاَّ اللّهَ فَعَسَى أُوْلَـئِكَ أَن يَكُونُواْ مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ۔ (سورۃ التوبہ: ۱۷۔۱۸) (مشرکوں کو زیبا نہیں کہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں جبکہ وہ اپنے آپ پر کفر کی گواہی دے رہے ہیں، ان لوگوں کے سب اعمال بیکار ہیں اور یہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ اللہ کی مسجدوں کو تو وہ لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان لاتے اور نماز پڑھتے اور زکوۃ دیتے

ہیں اوراللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے، یہی لوگ امید ہے کہ ہدایت یافتہ لوگوں میں (داخل) ہوں۔)

یہ خدائے ذوالجلال کی جانب سے امت مسلمہ کے لیے ایک شاندار انتظام ہے، اپنے رب سے وابستگی کا، اپنے رب کی ہدایات سے وابستگی کا، اور اپنے جیسے دوسرے بندگانِ خدا سے وابستگی کا۔

رب کائنات کی جانب سے اس وابستگی کو یقینی بنانے کے لیے انتظام بھی خوب کیا گیا ہے، روزانہ پانچ وقت باجماعت نماز کے لیے لازمی حاضری کی صورت میں بھی اور ہفتہ میں جمعہ کے روز بڑے اجتماع میں لازمی شرکت کی صورت میں بھی۔

پیغمبراسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی معاشرے میں مساجد کی اہمیت اور معاشرے کی تشکیل میں مساجد کے غیر معمولی رول کی بہت ہی شاندار اور بہت ہی عملی مثال قائم کی ہے۔ یہ مثال اللہ کے رسولؐ کی پوری زندگی میں اسی آب وتاب کے ساتھ قائم رہی، اور آپؐ کے بعد خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور میں بھی اسی آب وتاب کے ساتھ جاری رہی۔ دورنبوی کی مساجد اور ان مساجد کی سرگرمیاں، بالخصوص مسجد نبوی کے سلسلے میں وارد روایتوں میں موجود تفصیلات، اسلامی معاشرے میں مساجد کے مطلوبہ رول سے متعلق بہترین رہنمائی پیش کرتی ہیں۔

...... مسجد نبوی میں پنج وقتہ نمازوں کے لیے پورا مسلم معاشرہ جمع ہوتا تھا، مرد بھی جمع ہوتے تھے، خواتین بھی جمع ہوتی تھیں اور بچے بھی جمع ہوتے تھے، اور مسجد میں سب کے لیے اُن کے مناسب حال صفیں متعین ہوتی تھیں۔

...... نمازوں کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب بھی کسی اجتماعی رہنمائی کی ضرورت محسوس ہوتی آپ خطاب فرمایا کرتے تھے، اس وقت بھی پورا مسلم معاشرہ وہاں موجود ہوتا تھا، مرد بھی موجود ہوتے تھے اور خواتین بھی موجود ہوتی تھیں۔

...... جمعہ کے دن آپ کا معمول تھا کہ اس بڑے اجتماع کو مخاطب کرتے ہوئے ہفتہ بھر کے تناظر میں ضروری اور عملی قسم کی رہنمائی پیش فرماتے، اس وقت بھی پورا معاشرہ، مرد بھی اور خواتین بھی، مسجد میں موجود ہوتا۔

...... اس کے علاوہ آپؐ کا معمول تھا کہ مختلف اوقات میں مسجد میں ٹھہرتے، وہاں آپ کی مجلس لگتی، جہاں مرد وخواتین سب کے لیے موقع ہوتا کہ وہ حسب ضرورت مختلف امور کے سلسلہ میں آپ سے انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی رہنمائی حاصل کرسکیں۔ روایتوں میں آتا ہے کہ ایک بار خواتین نے مطالبہ کیا کہ بہت سے مسائل وہ ہیں جو اس طرح کی مجلسوں میں وہ نہیں پوچھ سکتی ہیں، لہٰذا

ایک دن اُن کے لیے مختص کردیا جائے، جس میں وہ اپنے مخصوص مسائل کے سلسلے میں واضح رہنمائی حاصل کرسکیں۔ ان مجلسوں کے علاوہ بھی جب کبھی آپ ضرورت محسوس کرتے، مسجد میں جمع ہونے کا حکم دے دیتے اور سارا مدینہ آپ کو سننے کے لیے بیتابی کے ساتھ وہاں موجود ہوتا۔

...... مسجد نبوی میں منعقد مجالس محض تذکیری یا دینی مجالس ہی نہیں ہوتی تھیں، بلکہ ان مجالس میں کافی تنوع پایا جاتا تھا، کبھی شعروشاعری کی مجلس منعقد ہوتی اور شاعر رسول حضرت حسان بن ثابتؓ اور دیگر شعرائے رسول سامعین کو محظوظ کررہے ہوتے، اور کبھی کسی قسم کا مسابقہ منعقد ہوتا، جہاں شرکائے مسابقہ اپنے اپنے جوہر دکھارہے ہوتے اور وہاں موجود دیگر افراد بھی محظوظ ہورہے ہوتے۔ مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ کچھ حبشی اپنے مخصوص کھیل کھیل رہے تھے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اَوٹ میں کھڑی وہ کھیل دیکھ رہی تھیں۔

...... ''صفہ'' مسجد نبوی کی سرگرمیوں کا ایک اہم ترین پارٹ تھا۔ یہ طالبانِ حق کے لیے بھی ایک شاندار ٹھکانہ تھا اور کمزور و پریشان حال افراد کے لیے بھی ایک بہترین ٹھکانہ تھا۔ دن میں یہاں تعلیمی سرگرمیاں جاری رہتی تھیں اور رات میں ضرورت مند افراد یہاں قیام کرتے تھے۔ صفہ سے متعلق اِن افراد کے کھانے پینے کا نظم معاشرے کی ذمہ رہتا تھا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں سے بھی اِن کے لیے کھانا آتا اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے یہاں سے بھی۔

...... مسجد نبوی خدمت خلق کا مرکز بھی تھی۔ کوئی مسافر، پریشان حال، مسکین، ضرورت مند آ گیا تو اُس کو یہاں بہترین سہارا ملتا۔ مشہور واقعہ ہے کہ قبیلہ مضر کے لوگ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے جو تقریباً ننگے بدن، کمبل یا عبا لپیٹے ہوئے اور گلے میں تلوار لٹکائے ہوئے تھے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر آپؐ کا چہرہ مبارک متغیر ہوگیا۔ آپؐ گھر کے اندر گئے اور پھر فوراً ہی باہر نکل آئے اور حضرت بلالؓ سے اذان دینے کے لیے کہا۔ حضرت بلالؓ نے اذان دی پھر اقامت کہی، آپؐ نے نماز پڑھائی اور پھر حاضرین سے خطاب فرمایا۔ آپؐ نے سورۃ النساء کی پہلی آیت اور سورۃ الحشر کی ۱۸ویں آیت پڑھی اور اس کے بعد فرمایا: ''ہر شخص اپنے دینار و درہم، کپڑے، گندم اور جو کی مقدار میں سے صدقہ و خیرات کرے۔'' پھر فرمایا: ''(خیرات کرو) چاہے کھجور کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔'' لوگ آتے گئے اور کھانے کی چیزوں اور کپڑوں کے ڈھیر لگاتے چلے گئے، جسے دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ آفتاب کی طرح چمک اٹھا۔

...... مسجد نبوی اس کے علاوہ دوسری سماجی ضرورتوں کی تکمیل بھی کرتی تھی، وفود تشریف لاتے تو

انہیں وہاں ٹھہرایا جاتا، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم یہیں آ کر ان سے ملاقاتیں کرتے اور ان کے سامنے اپنے مشن کا تعارف کراتے، یقیناً یہ وفود مسلمان نہیں ہوتے تھے، بلکہ روایات میں صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ آپؐ نے ایک بار نجران کے ایک بڑے عیسائی وفد کو مسجد نبوی میں ٹھہرایا۔ طائف کے مشرک وفد کو بھی آپؐ نے خاص اہتمام کے ساتھ مسجد میں قیام کرایا، اور صحابہ کرامؓ کو اس بات کی ہدایت کی کہ ان کا قیام اس طرح ہونا چاہیے کہ تلاوت قرآن کی آواز ان کے کانوں تک آسانی سے پہنچ سکے۔ اسی طرح آپؐ سے ملنے دور دراز سے مہمان تشریف لاتے تو مسجد نبوی ہی میں ان کے قیام اور ان کی ضیافت کا نظم کیا جاتا۔

یہ نبوی معاشرے میں مسجد نبوی کے غیر معمولی رول کی چند اہم جھلکیاں ہیں، حالانکہ مسجد نبوی کا رول اس سے کہیں زیادہ اہم اور اس سے کہیں زیادہ وسیع اطراف و جوانب کا حامل ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ مسجد نبوی ایک آئینہ ہے جس کو سامنے رکھ کر دنیا بھر کی مساجد کا جائزہ لیا جانا چاہیے۔ فی الوقت صورتحال یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ کا یہ اہم ادارہ اپنے کردار سے بڑی حد تک محروم ہو گیا ہے۔ زمانے کی گرد اِس پر کچھ ایسی چڑھی کہ یہ اپنے کردار کی وسعت اور ہمہ گیری سے بھی محروم ہو گیا اور اپنی افادیت اور تاثیر سے بھی۔ دھیرے دھیرے اس سے وابستگی کا دائرہ بھی کافی محدود اور تنگ ہوتا چلا گیا۔

آج کے گئے گزرے حالات میں بھی بحیثیت مجموعی مسلم معاشرہ روحانی اور فکری طور پر مساجد سے بڑی حد تک وابستگی اور تعلق رکھتا ہے، اور یہاں سے اپنی زندگی میں پیش آنے والے مسائل اور مشکلات میں رہنمائی حاصل کرنے کے لیے ذہنی طور پر خود کو آمادہ محسوس کرتا ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ مساجد کو دوبارہ اسلامی تبدیلی کا بنیادی مرکز بنایا جائے۔ اس کی افادیت کو نہ تو پنج وقتہ نمازوں اور تاثیر سے محروم خطباتِ جمعہ تک محدود رکھا جائے، اور نہ ہی مکاتب اور حفظ و تجوید کے کلاسیز تک محدود کر دیا جائے۔

اسلامی تبدیلی کا بنیادی مرکز پہلے مرحلے میں کم از کم اس طور پر بنایا جائے کہ معاشرہ ہر ہر قدم پر یہاں سے دینی رہنمائی حاصل کر سکے، بالخصوص انسانی زندگی میں پیش آنے والے معاملات سے متعلق صحیح اور بروقت دینی رہنمائی کا یہاں بھرپور انتظام ہو، چاہے یہ معاملات عائلی زندگی سے متعلق ہوں، چاہے کاروباری زندگی سے متعلق ہوں، چاہے زندگی کے دوسرے کسی شعبے سے متعلق ہوں۔

اس کے لیے مسلم معاشرے کو دوبارہ اس مرکز سے وابستہ کرنا ہوگا۔ اس سے وابستگی کے دائرے کو اسی طرح وسیع کرنا ہوگا جس طرح یہ عہد نبوی میں تھا۔ مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین کو بھی اس سے

وابستہ کرنا ہوگا تاکہ وہ اپنی شخصیت کی تزئین اور اپنے گھر کی تعمیر ربانی ہدایات سے واقفیت کی بنیاد پر اور ان کے مطابق کریں۔ بچوں کو بھی اس سے وابستہ کرنا ہوگا تاکہ ان کی اُٹھان مسجد میں آتے جاتے ہوئے اور اسلامی ماحول اور اسلامی رہنمائی سے انسیت اور لگاؤ کے ساتھ ہو۔ مساجد میں امام کے منصب پر ایسے فرد کا تقرر کرنا ہوگا (۱) جو معاشرے کے درمیان رائج زبان میں اور معاشرے کی ذہنی سطح کو ملحوظ رکھتے ہوئے گفتگو کرسکتا ہو۔ (۲) جو دین اور دینی معاملات کا کم ازکم اتنا فہم رکھتا ہو کہ وہ معاشرے میں اٹھنے والے معمول کے مسائل کو سمجھ سکے اور ان کے سلسلے میں دینی رہنمائی کا فریضہ بھی انجام دے سکے۔

یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہیے کہ مسلم معاشرے کی اس مرکز سے عہدنبوی جیسی وابستگی اسی صورت ممکن ہو سکے گی جبکہ اس کی افادیت اور تاثیر میں مطلوبہ حد تک اضافہ ہو، یہاں تک کہ معاشرہ اس کے اندر خود بخود اپنے لیے کشش اور لگاؤ محسوس کرنے لگے۔ مساجد کے منبر سے ہونے والے عربی زبان کے خطبات جن کو سمجھنے سے سامعین مکمل طور پر قاصر ہوتے ہیں، بیانات کے نام پر کچھ ایسے پند ونصائح جن کا سامعین کی عملی زندگی سے دور دور تک تعلق نہیں ہوتا، یا پھر دوران تقریر ایسے مطالبات جو نہ تو شریعت میں مطلوب ہیں اور نہ ہی عام سماج کے لیے ان مطالبات کو پورا کرنا ممکن ہے، ان خطبات، بیانات اور تقاریر کے اندر سوائے حصول ثواب کے ''عنصر'' کے ایسا کچھ نہیں ہوتا جس کی بنیاد پر وہ مسلم معاشرہ کے عام افراد کو اپنی جانب متوجہ کرسکیں۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ ایک طرف مساجد اپنے حقیقی کردار اور اپنی حقیقی تاثیر سے محروم ہیں۔ دوسری طرف ان مساجد کا دامن تنگ سے تنگ تر کر دیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر خواتین جو ملت کا نصف حصہ ہیں، مساجد میں داخلہ اور مساجد کی سرگرمیوں میں شرکت سے یکسر محروم ہیں۔ چنانچہ یہ اسلامی شریعت سے واقفیت بہم پہنچانے والے اور زندگی میں درپیش مختلف امور ومسائل سے متعلق اسلامی تعلیمات سے متعارف کرانے والے، اور بار بار کی تذکیر سے احکام الٰہی کو ذہنوں میں جاگزیں کرانے والے ایک اہم اور مستقل ربانی انتظام سے محروم رہ جاتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ خود اپنی زندگی میں پیش آنے والے مختلف عائلی وغیر عائلی مسائل کو شرعی عدالتوں کے ذریعہ حل کرانے کے بجائے مختلف غیر شرعی عدالتوں کا چکر کاٹتی پھرتی ہیں اور پھر یہی خواتین اور ان خواتین کے مقدمات کے سلسلے میں آنے والے عدالتی فیصلے مسلم پرسنل لا اور شرعی قوانین کے تحفظ کے لیے ایک چیلنج بن جاتے ہیں۔ بہرحال مساجد کو ان کے حقیقی کردار سے وابستہ کرنا بھی ضروری ہے اور ان کی افادیت کے دائرہ کو وسیع سے وسیع تر کرنا بھی ضروری ہے۔ یہی قرآن وسنت کی رہنمائی بھی ہے اور یہی ملت کے موجودہ حالات کا تقاضا بھی ہے۔

کتنا اخلاص بھرا رشتہ تھا......

ڈاکٹر محمد افضل فلاحی، رکن شوریٰ جامعۃ الفلاح

موبائیل نمبر: 9651377057

اس روئے زمین پر ایسے بہت کم لوگ پیدا ہوتے ہیں جن کی شخصیت کے ہر رُخ سے روشنی کی کرنیں پھوٹتی ہوں اور ان کرنوں سے استفادہ کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد ہر دو میں موجود رہتی ہو۔ ایسی ہمہ جہت اور مایہ ناز شخصیات میں علامہ شبلی نعمانیؒ اور مولانا ابوالکلام آزادؒ سرِفہرست ہیں۔ یہ دونوں اور بابِ کمال درخشندہ آفتاب و ماہتاب کے مانند تھے۔ دونوں عالم اسلام کی قابلِ فخر میراث تھے۔ ان لوگوں نے مدت العمر قوم کو عزیمت کی دعوت دی۔ یہ دعوت خوش نما الفاظ یا تاثیر خطابت تک محدود نہ تھی بلکہ ایسے بیتاب دلوں کی گہرائیوں سے اٹھی ہوئی دعوت تھی جس کے متحرک خون کا ہر قطرہ عزیمت کی حرارت سے مخمور تھا۔ ان مفکرین عظام نے اپنے اعلیٰ افکار و نظریات کی بدرجہ اتم عملی تعبیر پیش کی جو قول و عمل کی مطابقت کی اعلیٰ مثال ہے۔ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ایسے نایاب گوہر ہر خاک سے نہیں اٹھتے۔ یہ افتخار تو صرف جامعۃ الفلاح کو حاصل ہے کہ جس جگہ اس کی داغ بیل ڈالی گئی اس دیار کی مٹی کا عطیہ ہیں علامہ شبلی نعمانیؒ، اور اس پاکیزہ خاک کا طواف مولانا ابوالکلام آزادؒ نے خود آکر ۱۹۰۵ء میں کیا تھا۔ مولانا آزاد رقم طراز ہیں:

> ''لکھنؤ میں مولوی حفیظ اللہ سے معلوم ہوا کہ وہ اپنے گھر پر علالت کی خبر سن کر پھر اعظم گڑھ چلے گئے ہیں۔ چنانچہ میں اعظم گڑھ گیا۔ عجیب اتفاق، جس دن پہنچا اسی دن ان کی بیوی کا انتقال ہوا۔ وہاں سے ہم ایک ساتھ لکھنؤ واپس آئے اور ندوہ میں ٹھہر گیا۔''(۱)

۱۷/اگست ۱۸۸۸ء کو جب مولانا آزاد نے اس عالم آب و گل میں آنکھ کھولی تو علامہ شبلیؒ کی حیات مستعار کے ۳۱ برس گزر چکے تھے۔ عمر میں کافی تفاوت کے باوجود ان اکابرین ملت کے تعلقات بہت ہی عزیزانہ تھے۔ امتداد زمانہ اور خاصی مسافت کے باوجود یہ باہمی رشتے استوار سے استوار تر

ہوتے چلے گئے۔

علامہ شبلی نعمانیؒ اور مولانا ابوالکلام آزادؒ کے تعلقات پہلے پہل غائبانہ ہی تھے۔۱۸۹۹ء سے خط و کتابت کا سلسلہ شروع ہوا۔مختلف النوع مسائل پر باتیں ہوتی رہتی تھیں اور مراسلت کا سلسلہ جاری تھا کہ علامہ شبلیؒ ۱۹۰۴ء میں پرفیسر آرنلڈ کو الوداع کہنے بمبئی آئے۔یہیں مولانا آزادؒ سے شبلی کی پہلی ملاقات ہوئی۔اس سلسلے میں مولانا آزادؒ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

''مولانا شبلی نعمانی سے میں ۱۹۰۴ء میں سب سے پہلے بمبئی میں ملا۔جب میں نے اپنا نام ظاہر کیا تو اس کے بعد آدھ گھنٹے تک ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں اور چلتے وقت انہوں نے مجھ سے کہا،تو ابوالکلام آپ کے والد ہیں،میں نے کہا نہیں،میں خود ہوں۔''(۲)

اس مرتبہ علامہ شبلی نعمانیؒ کا قیام بمبئی میں لمبا رہا،اس دوران مولانا آزادؒ کی ملاقاتیں علامہؒ سے اکثر ہوتی رہیں۔یہیں ان پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ مولانا آزاد کا ذہن و دماغ عجائب روزگار میں سے ہے اور یہ نوجوان علمی اور ادبی سرگرمیوں میں بہترین معاون ثابت ہوسکتا ہے۔یہ وہ وقت تھا جب علامہ شبلیؒ علی گڑھ سے مستعفی ہوکر مولوی سید علی بلگرامی کی تحریک پر حیدرآباد میں مقیم تھے اور محکمۂ تعلیم کے ناظم اعلیٰ تھے۔یہاں سے علامہ نے ''الندوہ'' نامی ایک رسالہ جاری کیا تھا۔یہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کا ترجمان تھا۔جس کی ادارت کے فرائض علامہ خود انجام دے رہے تھے۔چنانچہ علامہ شبلیؒ نے مولانا آزاد سے حیدرآباد آکر ''الندوۃ'' سے وابستہ ہوجانے کی درخواست کی۔اس کی تفصیل خود مولانا آزاد بیان کرتے ہیں:

''۱۹۰۴ء میں ایسے حالات پیش آئے کہ میں عراق چلا گیا اور پھر کوئی نمبر ''لسان الصدق'' کا نہیں نکلا۔وہاں سے جب واپس آیا تو بمبئی میں مولانا شبلیؒ سے ملاقات ہوئی۔یہ پہلی ملاقات تھی۔اس وقت مولانا حیدرآباد میں ناظم علوم وفنون تھے اور تقریباً پانچ سال سے میری خط و کتابت جاری تھی۔میں ان کی ملاقات کا حال پہلے کہہ چکا ہوں۔میں چونکہ ان کی تصنیفات کا مطالعہ کر چکا ہوں۔اس لیے ان کی اپنے دل میں بڑی عزت و وقعت رکھتا تھا اور طبیعت میں شوق تھا کہ ایسے لوگوں کی معیت وصحبت کا موقع حاصل ہو۔مولانا شبلیؒ تقریباً دو تین ہفتہ رہے اور اکثر اوقات میں ان کے ساتھ رہا۔اس زمانے میں مولانا مرحوم نے ''الندوۃ'' جاری کیا تھا۔شاید ایک یا دو نمبر نکل چکے

تھے۔ جب چند دنوں میں گفتگو وصحبت سے انہیں میرے علمی شوق کا خوب اندازہ ہو گیا تو وہ بڑی محبت کرنے لگے۔ بار بار کہتے کہ مجھے ایک ایسے ہی آدمی کی ضرورت ہے۔تم اگر کسی طرح حیدرآباد آسکو تو ''الندوۃ'' اپنے متعلق کرلو اور وہاں مزید مطالعہ وترقی کا بھی موقع ملے گا۔'' (۳)

حالانکہ مولانا آزادؒ نہ تو حیدرآباد گئے اور نہ ''الندوۃ'' سے وابستہ ہو سکے۔ البتہ اسی اثنا میں علامہ شبلیؒ معتمد تعلیمات کی حیثیت سے ندوۃ العلماء لکھنؤ آ گئے۔ پھر ایک بار علامہ کی توجہ ''الندوۃ'' کی اشاعت پر مرکوز ہوگئی۔اس مرتبہ علامہ شبلیؒ کی نظر پھر مولانا آزاد پر پڑی۔

لکیر کھینچ کے بیٹھی ہے تشنگی میری
بس ایک ضد ہے کہ دریا یہیں پہ آئے گا

(عالم خورشید)

یہ وہ وقت تھا جب ''لسان الصدق'' بند ہو چکا تھا اور مولانا آزاد نہ تو کسی اخبار اور نہ ہی کسی رسالے سے وابستہ ہوئے تھے۔ بالآخر مولانا آزاد نے بھی اپنے علمی ذوق وشوق کی وجہ سے علامہ کی اس پیشکش کو منظور کر ہی لیا اور باقاعدہ اکتوبر۱۹۰۵ء میں ''الندوۃ'' کے ایڈیٹوریل اسٹاف میں شامل ہو گئے۔ انہیں علامہ شبلیؒ جیسے کامل الفن مصنف کا اپنا شریک ادارت بنالینا، ان کی غیر معمولی اور حیرت انگیز صلاحیت ولیاقت کا بڑا ثبوت ہے، بقول مالک رام:

''مولانا شبلی جس پائے کے مصنف اور نقاد تھے اس کے متعلق کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے اسے مدنظر رکھتے ہوئے ان کا سترہ سالہ نوجوان آزاد کو ''الندوۃ'' کی ادارت میں شرکت کی دعوت دینا حیرتناک تو ہے ہی لیکن اس سے بڑھ کر یہ کہ مولانا آزاد کے علم وفضل کی، ان کی تحریر کے معیار اور پختگی کی، ان کی ذاتی متانت اور رکھ رکھاؤ کی عادت کی بھی اتنی بڑی سند ہے کہ مشکل سے اس کی مثال کہیں اور ملے گی۔'' (۴)

دوسری طرف خود علامہ شبلی پر گوناگوں علمی، تعلیمی اور قومی کاموں کے ساتھ ''الندوۃ'' کی ادارت کی مکمل ذمہ داری کا بوجھ بھی تھا۔ اس کو کم کرنے کے لیے علامہ شبلیؒ کو مولانا آزاد جیسے ذہین، ہونہار، وسیع النظر، صاحب اسلوب اور انشاپرداز شخص کی ضرورت بھی تھی۔ مولانا کے طرز تحریر اور اسلوب بیان کو علامہ بہت پسند فرماتے تھے نیز ان کے علم وفضل، غیر معمولی ذہانت، اعلیٰ فکر اور وسعت مطالعہ سے بہت متاثر

بھی تھے۔ ویسے مولانا آزاد نے بھی اس اعتماد کو کمزور ہونے نہیں دیا، بلکہ انتہائی محنت اور جانفشانی سے کام کیا۔ علامہ جو سوچتے مولانا وہی خاکہ ہو بہو پیش کر دیتے تھے۔ اعتماد اس قدر بڑھا کہ ''الندوۃ'' کا سارا کام مولانا آزاد کے ہی سپرد کر دیا۔ آپ سے الندوۃ میں المرأۃ المسلمۃ پر مفصل تبصرہ کرایا، جس سے پہلی دفعہ ہندوستان کی علمی دنیا میں مولانا آزاد کے نام کو شہرت ملی نیز ان کے مضامین کی مسلسل اشاعت سے دوسرے اخبار ورسائل میں مانگ بھی شروع ہوگئی۔

مولانا آزاد کو اس جریدہ سے وابستہ ہوئے ابھی صرف چھ ماہ ہی گزرے تھے کہ مارچ ۱۹۰۶ء میں ندوہ سے جانا ہوا۔ لیکن اس مختصر مدت میں بھی مولانا نے علامہ شبلی سے خوب خوب استفادہ کیا۔ ان کے تجربے اور تبحر علمی سے مستفیض ہوئے اور وہ کچھ حاصل کیا جو آئندہ زندگی میں انہیں بہت کام آیا۔ ویسے مولانا آزاد کی عمر سترہ (۱۷) سال کا بھی تقاضا تھا کہ انہیں ایک ایسے عالم، فاضل اور کثیر المطالعہ شخص کی سرپرستی حاصل ہو جائے جو ان کی اپنی بے پناہ صلاحیتوں کو صحیح سمت دے سکے۔ مولانا آزاد اس وقت علامہ شبلی کی صحبتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''ہر وقت مولانا مرحوم سے یکجائی رہتی تھی۔ وہ بھی صبح سویرے اٹھنے کے عادی تھے اور میں بھی بچپن سے اس کا خوگر، جاڑے کا موسم تھا۔ صبح چار بجے میں ان کے کمرے میں چلا جاتا۔ اس وقت چائے کا دور چلتا۔ طرح طرح کے علمی تذکرے رہتے۔ اکثر فارسی اشعار کا اپنے خاص ٹون میں ترنم کرتے۔ ان اشعار کے متعلق تذکرے رہتے۔ شام کو کبھی قیصر باغ یا اور کہیں دور کا چکر لگانے نکل جاتے اور یہ تمام وقت بھی علمی وادبی تذکروں میں سیر ہوتا۔ حقیقتاً وہ ایسی صحبتیں تھیں جن کا لطف و کیفیت عمر بھر فراموش نہ ہوگی۔''(۵)

مارچ ۱۹۰۶ء میں مولانا آزاد کے ''الندوۃ'' سے علیحدگی اختیار کر لینے کے باوجود بھی علامہ سے تعلقات ویسے ہی مخلصانہ اور عزیزانہ رہے۔ چاہت اور اعتماد کی یہ فضا تاعمر قائم رہی۔ اور کیوں نہ رہتی۔ وہ کون سا دائرہ اور کون سا حلقہ تھا جس میں مولانا آزاد کی انفرادیت ابتدا ہی سے سب کے نزدیک ثابت اور مسلم نہ تھی۔ علم و فضل، حقائق دین، فلسفہ و حکمت، شعر و ادب، تصنیف و تالیف، تقریر و خطابت، اخبار نویسی اور سیاست و ملک داری جیسے گوناگوں اوصاف و محاسن کسی ایک وجود میں بہت ہی کم جمع ہوتے ہیں۔ ان سب خوبیوں سے صرف مولانا آزاد ہی کی شخصیت تھی جو مزین تھی۔ یہی وجہ تھی کہ علامہ شبلیؒ جیسے مایہ ناز عالم و فاضل بھی اس نوجوان شخص سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ مولانا آزاد سے علامہ کس قدر

متأثر تھے اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے۔ کوئی ۱۹۱۲ء کی بات ہے۔ مصر کے مشہور عالم دین اور المنار کے مدیر سید رشید رضا دارالعلوم ندوۃ العلماء تشریف لائے۔ یہاں پر ایک تاریخ ساز اجلاس کی صدارت فرمائی۔ اس موقع پر ایک مترجم کی ضرورت پیش آئی۔ علامہ شبلیؒ نے بحیثیت مترجم مولانا آزاد کو مدعو کیا۔ جبکہ اس وقت مولانا آزاد کلکتہ میں تھے اور علامہ کے شاگرد خاص سید سلیمان ندوی اور دوسرے تلامذہ کی ایک بڑی تعداد ندوہ میں خود موجود تھی۔ علامہ شبلیؒ کا یہ اہم فیصلہ مولانا آزاد کے اوپر اعتماد کی انتہا تھی۔

ندوۃ العلماء نے اپنی مقاصد میں قدیم وجدید کے سنگم کا جو خواب دیکھا تھا اس کی عملی تعبیر مشکلات سے گھری ہوئی تھی۔ معتمد تعلیم کے منصب پر فائز ہوتے ہوئے علامہ شبلیؒ ان مخالفتوں سے نبرد آزما تھے۔ جب ندوہ کی اندرونی سیاست، رشک وحسد اور بدگمانی و بےاعتمادی نے کیمپس کی پوری فضا کو مکدر کرنا شروع کردیا، نیز روحانی رشتے بکھرنے لگے تو اس روح فرسا حالت میں علامہ نے اپنے تمام معتمدین سے حمایت کی اپیل کی۔ ان مخلصین میں مولانا آزاد سرفہرست تھے۔ اس موقع سے ندوہ کے تمام اجلاسوں میں مولانا آزاد سے شرکت کی بالاصرار درخواست کی۔ مولانا تمام اجلاسوں میں شریک بھی رہے۔ البتہ ایک اجلاس میں کسی وجہ سے معذرت کرنی چاہی تو عذر قبول نہ ہوا۔ کتنا اخلاص بھرا رشتہ تھا۔ علامہ کے اس خط کو ملاحظہ کیجئے:

> ''ان باتوں سے کام نہیں چلتا۔ اگر آپ اس موقع پر نہ آئے تو میں قیامت تک کلکتہ نہ آؤں گا۔ بلکہ قیامت کے بعد بھی۔ میرے برابر کا کمرہ بالکل خالی اور آپ کے لیے محفوظ ہے۔ اکثر احباب آرہے ہیں اور آچکے ہیں۔'' (۲۱ر دسمبر ۱۹۱۰ء) (۶)

اس خط کے بعد مولانا آزاد نے فوراً رخت سفر باندھا اور ندوہ جا پہنچے۔ اجلاس میں شرکت کی۔ مسائل کی گتھی سلجھانے میں پیش پیش رہے۔ نہ صرف یہ کہ اندرون ندوہ بلکہ بیرون مدرسہ بھی علامہ کے حق میں رائے عامہ ہموار کرنے کی مخلصانہ کوششیں کیں۔

مولانا آزاد نے الہلال کے اوراق اس کے لیے وقف کردیے۔ خود مضامین لکھ کر شبلی کے موقف کی وکالت کی اور ان کی حمایت میں دوسروں کے مضامین اور خطوط بھی شائع کیے۔ یہ الگ بات رہی کہ تمام تر مساعی جمیلہ کے باوجود حالات بگڑتے چلے گئے اور ۱۹ر جولائی ۱۹۱۳ء کو علامہ شبلیؒ نے دارالعلوم ندوۃ العلماء کی معتمدی سے استعفیٰ دے دیا۔

کسی پر الزام تراشی کریں شکوہ کس سے
گھر تو، اپنے چراغوں سے بھی جل جاتے ہیں

(یعقوب اعظم)

علی گڑھ اور ندوہ جیسے اداروں میں اپنا خون جگر صرف لگا کے شکست خوردہ شبلی ۵۶ برس کی عمر میں دار المصنفین کے قیام کا خاکہ لے کر اعظم گڑھ کے لیے روانہ ہوئے۔ یہاں پہنچ کر پوری یکسوئی کے ساتھ اپنے خاکہ میں رنگ بھرنے میں ہمہ تن مصروف ہوگئے۔ پہلے مرحلے میں دار المصنفین دو کچے بنگلے، چند سو کتابیں اور کچھ الماریوں پر مشتمل وجود میں آیا۔ ابھی علامہ کا سایہ پوری طرح اکیڈمی پر پڑا بھی نہ تھا کہ وقت ہو چلا۔ طبیعت ناساز رہنے لگی۔ دن بدن بگڑتی صحت اور تسلسل علالت مشن میں رکاوٹ بننے لگی تو سیرت النبی کی تکمیل کی فکر لاحق ہوئی۔ اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے جن لوگوں کا انتخاب فرمایا، ان قابل فخر فیض یافتگان میں مولانا ابوالکلام آزاد پہلی پسند تھے۔ علامہ نے اپنے انتقال سے چار روز قبل ۱۵ر نومبر ۱۹۱۴ء کو مولانا آزاد کے نام ایک ٹیلی گرام بھیجا کہ وہ ملاقات کرلیں تاکہ سیرت النبی کی تکمیل کا پورا پلان سمجھا سکیں۔ ایسے بھی سیرت النبی کی تکمیل کے لیے مولانا آزاد پہلے سے کوشاں تھے۔ اس کے کچھ حصے کو کتابی شکل میں شائع ہونے سے قبل ہی الہلال (جنوری، فروری ۱۹۱۳ء) کے اوراق کی زینت بنایا نیز اس کے ساتھ ایک طویل تعارفی نوٹ بھی تحریر فرمایا۔ لیکن قدرت کو تو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ٹیلی گرام وقت پر نہ مل سکا۔ جس کی وجہ سے مولانا آزاد نہ پہنچ سکے۔ بالآخر ۱۸ر نومبر ۱۹۱۴ء کو

اٹھا سر سے ہمارے آہ ایسا ظل ربانی
وہ جس پر ناز کرتی ہے سدا تاریخ انسانی

(ارشاد نداخیالی)

مولانا ابوالکلام آزاد علامہ شبلیؒ سے کس قدر محبت و عقیدت رکھتے تھے خود ان کے احساس کو انہی کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

''مولانا مرحوم کے انتقال سے جہاں کتنی ہی خوبیاں اور کمالات ان کے ساتھ مدفون ہوگئے وہاں ایک سب سے بڑی چیز یہ پر لطف صحبت تھی جو ان کے بعد ایک مرتبہ بھی مجھے کہیں گوشہ میں میسر نہ آئی۔'' (۷)

علامہ شبلیؒ کے انتقال کے بعد ان کی جمع پونجی دار المصنفین سے مولانا آزاد کبھی لاتعلق نہ ہوئے۔

بلکہ اس کے قیام میں پورا پورا تعاون فرمایا اور موقع بہ موقع اپنے مفید اور قیمتی مشوروں سے نوازتے رہے نیز اپنا خلوص بھرا تعاون بھی پیش فرماتے رہے۔

بڑا دشوار ہوتا ہے کسی کو یوں بھلا دینا
کہ جب وہ جذب ہو جائے رگوں میں خون کی مانند

ایک مرتبہ مولانا سید سلیمان ندویؒ نے علامہ کے عقیدت منداور اپنے دیرینہ رفیق مولانا ابوالکلام آزاد کے پاس دارالمصنفین کا پراسپکٹس اس درخواست کے ساتھ بھیجا کہ وہ اس ادارے کی آنریری فیلوشپ (Honorary Faloship) کو قبول فرمائیں۔ مولانا آزاد اپنے استاذ کی یادگار سے کس قدر جذباتی لگاؤ رکھتے تھے۔ خط کا جواب ملاحظہ فرمائیں:

''مکرمی، السلام علیکم۔ دارالمصنفین کا پراسپکٹس پہنچا۔ آپ مجھے اس سلسلہ میں جو کچھ بنانا چاہیں منظور ہے۔ آنریری فیلو تو ایک عمدہ بات ہے۔ اگر اس میں کوئی جگہ قلی کی بھی ہو جب بھی میں منظور کرلوں۔ بشرطیکہ کام ہو اور مجمع صحیح و خالص ہو۔''(۸)

مولانا ابوالکلام آزاد شبلی اکیڈمی کو آئیڈیل اور نمونہ کا ادارہ بنانا چاہتے تھے۔ اس کے لیے ہر وقت سب کچھ نچھاور کرنے کو تیار رہتے تھے۔ ایک موقع پر سید سلیمان ندویؒ کو خط لکھتے ہیں:

''دارالمصنفین کے دائرہ کو جس قدر تنگ رکھئے گا اسی قدر وہ حقیقی اور عملی ہوگا۔ دو چار آدمی اچھے کام کر سکتے ہیں لیکن مجمع جہلاء بیکار ہے۔ بڑی چیز ہے کہ آئندہ ایسے نمونے قائم کیے جائیں جن میں حقیقت ہو اور وہم پرستی اور رسم سے احتراز کیا جائے۔ آپ دارالمصنفین کو اس کا نمونہ بنائیے۔''

ایک مرتبہ سید سلیمان ندویؒ نے بعض ناگزیر اسباب کی بنا پر دارالمصنفین سے جانے کا ارادہ کیا۔ مولانا آزاد سے اس سلسلے میں تبادلہ خیال کیا تو انہوں نے دارالمصنفین کے مستقبل کو پیشِ نظر رکھ کر نہایت اخلاص کے ساتھ ادارہ میں ان کے قیام کی ضرورت، اہمیت اور افادیت بیان کی اور روکنے کی کامیاب سعی کی۔ مولانا نے تحریر فرمایا:

''آپ نے دارالمصنفین کی موجودہ مالی حالت کا ذکر کیا۔ نہایت خوشی ہوئی۔ یہ سب آپ کے قیام و سعی کا نتیجہ ہے۔ بحمداللہ مولانا شبلی مرحوم کے آخر حیات کی امیدیں بار آور ہوئیں۔ لیکن یہ بڑی مصیبت ہے کہ آپ وہاں قیام سے اکتا گئے ہیں۔ اگر آپ نے

وہاں رہنا چھوڑ دیا تو پھر سارا کارخانہ درہم برہم ہوجائے گا۔کوئی ایسا انتظام کیجئے کہ (سدماہ مےخوروزماہ پارساباش) کی اسکیم پرعمل درآمد نہ ہوسکے۔مستقل قیام وہاں اور عارضی ہرجگہ۔''(۹)

تقسیم ہند کے بعد حالات نے جو رخ اختیار کیا اس سے مسلمانان ہند کے تمام شعبہ جات متأثر ہوئے۔دارالمصنفین کا متأثر ہونا بھی فطری تھا۔مالی بحران سے یہ اکیڈمی بری طرح دوچار ہوگئی۔جس سے سلسلۂ مطبوعات پر کافی خطرناک اثر پڑا۔اس سلسلے میں ذمہ داران کافی فکرمند ہوئے۔مخلصین اور بہی خواہان سے ملاقاتیں کیں۔علامہ کے شاگرد خاص مولانا ابوالکلام آزاد سے بھی لوگ ملے۔اپنے استاذ کی یادگار دارالمصنفین کا معاملہ ہو اور مولانا آزاد خاموش بیٹھ جائیں، یہ کیسے ہوسکتا تھا۔تمام مخالفتوں کے باوجود مولانا نے ۸۰ ہزار روپے کی گرانٹ حکومت ہند سے منظور کرائی اور پارلیمنٹ ہاؤس میں مخالفین کا انتہائی مدلل اور مسکت جواب دیا۔مولانا آزاد دارالمصنفین کو حکومت ہند سے مستقل سالانہ گرانٹ دلانا چاہتے تھے تاکہ اکیڈمی مالی بحران سے ابھر سکے اور پوری یکسوئی کے ساتھ اپنے مشن کی طرف گامزن رہے۔لیکن مولانا کا یہ خواب بوجوہ شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا۔

علامہ شبلی نعمانیؒ کے تلامذہ کی ایک لمبی فہرست ہے جو آپ سے بہت ہی مانوس تھے۔حد درجہ عقیدت رکھتے تھے۔لیکن علامہ کے شاگرد خاص مولانا ابوالکلام آزاد میں ایسی بہت سی باتیں تھیں جو قدر مشترک تھیں اور وہی چیزیں دونوں کو ایک دوسرے سے قریب تر کرتی ہیں۔ان میں سب سے اہم یہ ہے کہ دونوں دانشوران ملت کا موضوع بنیادی طور پر ''اسلامیات'' تھا۔اس میدان میں دونوں مفکرین کی تصانیف منظر عام پر آئیں۔ان کی عظمت اور تکریم کے اعتراف سے انحراف ناممکن ہے۔اس کے علاوہ دوسرے میدانوں میں بھی ان دونوں اکابرین نے جو اہم کردار ادا کیا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔چاہے تاریخ اور صحافت کا میدان رہا ہو یا ملی اور قومی مسائل رہے ہوں، ہر جگہ دونوں کی فکر یکساں تھی۔کوئی ۱۹۱۰ء کی بات ہے۔سر آغا خان کی رہنمائی میں علی گڑھ محمڈن اینگلو اورینٹیل کالج کو مسلم یونیورسٹی بنانے کی تحریک کا باقاعدہ احیاء ہوا اور اس وژن کے حصول کے لیے منظم طور سے جد وجہد کی گئی تو اس تحریک میں بھی علامہ شبلیؒ اور مولانا آزادؒ ایک ساتھ سرگرم عمل رہے۔سیاست کے میدان میں بھی دونوں ہم خیال نظر آتے ہیں۔مولانا آزادؒ نیشنلزم کے زبردست حامیوں میں سے تھے۔کانگریس کے صف اول کے رہنما تھے۔مسلم لیگ کے نظریات کے سخت مخالف تھے۔جبکہ علامہ شبلی سرسید کے رفیق خاص ہوتے

ہوئے بھی کانگریس کے حامی تھے۔مسلم لیگ کے نظریات اوراس کی حکمت عملی سے شدید اختلاف رکھتے تھے۔غرضیکہ یہ دونوں اکابرین ملت اپنے آپ میں ایک انجمن تھے۔اس انجمن میں کبھی نغمہ وسرور کی دلکش صدائیں بلند ہوتی تھیں تو کبھی شعروادب کی دل بہار گونج،کبھی علوم وفنون کے بلند آہنگ تو کبھی سیاست کی گمبھیر آوازیں،ایسی نابغۂ روزگار شخصیات تاریخ کے صفحات پر خال خال ہی نظر آتی ہیں۔

ورق تمام ہوا ، مدح ابھی باقی ہے
سفینہ چاہیے، اس بحر بیکراں کے لیے

حوالہ جات

(۱) آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی،صفحہ۳۱۴

(۲) ایضاً،صفحہ۲۱۲

(۳) ایضاً،صفحہ۳۱۲

(۴) ابوالکلام آزاد،احوال وآثار،صفحہ۴۱

(۵) حیات شبلی،علامہ سید سلیمان ندوی،صفحہ۴۴۳

(۶) آزاد کی کہانی،خود آزاد کی زبانی،صفحہ۳۱۵

(۷) مشاہیر کے خطوط بنام سید سلیمان ندوی،صفحہ۱۷۷

(۸) ایضاً،صفحہ۱۷۸

(۹) ایضاً،صفحہ۱۸۵

نایاب خطوط

ذیل میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی علیہ الرحمہ کا ایک خط شائع کیا جارہا ہے۔ یہ خط مولانا محمد فاروق خاں صاحب (مترجم ومفسر قرآن مجید ہندی) کے ذریعہ ادارہ حیات نو کو موصول ہوا۔
ادارہ مولانا محترم کے اس تعاون اور تعلق خاطر پر دل کی گہرائیوں سے ہدیہ تشکر پیش کرتا ہے۔
توفیق خداوندی شامل حال رہی تو اس کالم کے تحت آئندہ بھی اہم اور نایاب خطوط کی اشاعت کا اہتمام کیا جاتا رہے گا۔ **(مدیر)**

باسمہ سبحانہ

مارچ ۶۷ء

عزیزم ابراہیم صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط ملا۔ آپ کی اور آپ کی اہلیہ اور بچوں کی خیریت معلوم کر کے خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اہلیہ کو شفا عطا فرمائے۔ پچھلے دنوں ان کی تکلیف کی وجہ سے آپ کو جو پریشانی رہی ہے اس سے دل کو تشویش تھی۔ اللہ کے کرم ہی سے یہ امید ہے کہ آپ کو اس طرف سے اطمینان بخشے اور ان کی تکلیف کو بھی مستقل طور پر دفع فرمادے۔

میں خدا کے فضل سے بالکل بخیر ہوں اور پوری یکسوئی کے ساتھ اپنے کام میں لگا ہوا ہوں۔ جب تک کتابیں نہ آئی تھیں، سارا وقت قرآن مجید کے مطالعہ میں صرف ہوتا رہا اور پورے قرآن کو از سر نو غور سے پڑھنے کا یہ ایک نادر موقع تھا جو اللہ کی عنایت سے ان تین ہفتوں میں مجھے مل گیا۔ اس کے بعد کتابیں آئیں تو پوری نہ آئیں، جس کی وجہ سے آگے تفہیم القرآن لکھنے کا کام نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس کا فائدہ میں نے یہ اٹھایا کہ تفہیم القرآن جلد سوم پر نظر ثانی کر کے اسے اپنی حد تک زیادہ زیادہ مفید بنادیا ہے، بہت سی اصلاحات کی ہیں، اور متعدد نئے اضافے کر دیے ہیں۔ آج ہی جلد سوم کا یہ کام مکمل ہوا

ہے، اور آج سے جلد دوم پر اسی طرح کی نظرِ ثانی شروع کر رہا ہوں۔ افسوس ہے کہ جلد اول پر اس نوعیت کی نظرِ ثانی یہاں نہیں ہوسکتی، کیونکہ اس میں جن اضافوں کی ضرورت اب میں محسوس کر رہا ہوں وہ صرف اپنی لائبریری میں بیٹھ کر ہی کی جاسکتی ہے۔ بہرحال خدا کے فضل سے جو کام یہاں ہوگیا ہے، وہ بس یہیں ہوسکتا تھا۔ باہر مجھے اتنی فرصت ہی نصیب نہ تھی کہ یہ کام ہوسکتا۔

آپ نے لکھا ہے کہ میں کچھ کلمہ نصیحت آپ کو لکھوں۔ نصیحت اس سے بہتر کیا ہوسکتی ہے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی۔ ایک شخص نے آپ سے یہی درخواست کی تھی کہ مجھے کچھ نصیحت فرمایئے جس کے بعد مجھے کچھ پوچھنے کی ضرورت باقی نہ رہے۔ آپ نے فرمایا: قل آمنت باللہ ثم استقم، کہو کہ میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر اس پر مستقیم رہا۔ بس یہی دنیا اور آخرت میں کلید کامیابی ہے، ایمان اور اس پر استقامت۔ استقامت کا مطلب یہ ہے کہ ایمان کے جو تقاضے ہیں ان کے مطابق آدمی سیدھا چلے اور اس راہ پر ایسی مضبوطی کے ساتھ قائم ہو کہ دنیا کی کوئی طاقت اسے اس راہ سے نہ ہٹا سکے۔

میری طرف سے سب احباب اور رفقاء کو سلام کہہ دیں اور اپنے گھر میں اہلیہ اور بچوں کو سلام و دعا پہنچا دیں۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

نعت پاک

مجھے رہ رہ کے وہ طائف کے منظر یاد آتے ہیں
نبی اور آل واصحاب مطہر یاد آتے ہیں
ستم کی آندھیاں چلتی ہیں جب بھی حق پرستوں پر
بلال ویاسر وخباب وبوذر یاد آتے ہیں
نظر پڑتی ہے میری جب بھی لادینی سیاست پر
ابوبکر وعمر، عثمان وحیدر یاد آتے ہیں
کہیں جب ذکر چھڑتا ہے ثبات واستقامت کا
خبیب ومصعب وسلمان وجعفر یاد آتے ہیں
خدا کی نصرت غیبی پہ جب میں غور کرتا ہوں
حنین وبدر اور موتہ کے منظر یاد آتے ہیں
احد کا معرکہ آتا ہے جب چشم تصور میں
نسیبہ، سعد وطلحہ مجھ کو اکثر یاد آتے ہیں
خلافت کی تمنا کروٹیں لیتی ہے جب دل میں
حسین ابن علی اور ان کے لشکر یاد آتے ہیں
میری آنکھوں کے پیمانے چھلک پڑتے ہیں اے عارف
کبھی جب جاں نثارانِ پیمبر یاد آتے ہیں

احسان الحق عارف فلاحی
شیخ التفسیر کلیۃ البنات، جامعۃ الفلاح

غزل

فاران کی زمین، تجلی'' جناب'' کی
''ذروں میں روح دوڑ گئی آفتاب کی''
اللہ رے! جمال رخ مصطفیٰ کا حال
کرنیں پڑھیں سلام جنھیں ماہتاب کی
ہرشئی میں بے حجاب تری ذات ساقیا!
ہر آنکھ تجھ سے دور یہ حدہے حجاب کی
اللہ کی کتاب سے روشن ہیں راستے
حاجت کہاں ہے اور کسی آفتاب کی
موج فرات آج ہے پھر محوِ اضطراب
کس کی سپاہ دشت میں پیاسی ہے آب کی
اب زندگی کی شام ڈھلے کیا عبادتیں
رب کو تو ہے پسند عبادت شباب کی
لے! آج میں بھی آگیا بازار مصر میں
قیمت تو دیکھ لے! ترے خانہ خراب کی
بے لفظ اک بیان مری بے بسی کا ہے
جوئے لہو میں تیرتی شکلیں حباب کی
انگڑائی لے رہی ہیں ہزاروں قیامتیں
دستک سنائی دے ہے بڑے انقلاب کی
بزمی کہاں تھے زلف زلیخا کے ہم اسیر
ملتی رہی ہے ہم کو سزا اجتناب کی

سرفراز بزمی فلاحی،راجستھان

غزل

خیال و خواب کا سارا دھواں اتر چکا ہے
یقیں کے طاق میں سورج کوئی ٹھہر چکا ہے
مجھے اٹھا کے سمندر میں پھینکنے والو
یہ دیکھو ایک جزیرہ یہاں ابھر چکا ہے
میں ایک نقش، جو اب تک نہ ہوسکا پورا
وہ ایک رنگ، جو تصویرِ جاں میں بھر چکا ہے
یہ کوئی اور ہی ہے مجھ میں جو جھلکتا ہے
تمہیں تلاش ہے جس کی وہ کب کا مر چکا ہے
ترے جواب کی امید جاں سے باندھے ہوئے
مرا سوال ہوا میں کہیں بکھر چکا ہے
نہ تارتار ہے دامن ، نہ ہے گریباں چاک
عجیب شکل جنوں اختیار کرچکا ہے
مسافروں سے کہو اپنی پیاس باندھ رکھیں
سفر کی روح میں صحرا کوئی اتر چکا ہے
وہ جب کہ تجھ سے امیدیں تھیں میری دنیا کو
وہ وقت بیت چکا ہے وہ غم گزر چکا ہے
نبیلؔ ایسا کرو تم بھی بھول جاؤ اسے
وہ شخص اپنی ہر اک بات سے مکر چکا ہے

عزیز نبیلؔ،قطر

غزل

سوادِ چشم میں حیرت اُگائیے تو سہی
خود اپنے روبرو اپنے کو لائیے تو سہی
تمام رونقیں اُتریں گی اِس خرابے میں
جنوں کی، دشت میں دھونی رَمائیے تو سہی
تماشہ دیکھے یہ دنیا بھی آب و آتش کا
ہماری آنکھوں سے آنکھیں ملائیے تو سہی
کچھ اور میوے لبِ عشق پر رکھے جائیں
پرانے بوسوں کے ملبے اٹھائیے تو سہی
پھر آپ ڈھونڈتے رہیے نشان زخموں کے
ہماری راکھ بدن پر لگائیے تو سہی
اِسی زمین سے اُٹھیں گی کہکشائیں بھی
بفیضِ اشک اسے نم بنائیے تو سہی
گلاب کوئی نیا خاکداں کی زینت ہو
پھر ایک گھاؤ سرِ جاں لگائیے تو سہی
ہمارے لفظ اجالوں سے کم نہیں صارمؔ
انہیں لبوں پہ شبِ غم سجائیے تو سہی

ارشد جمال صارمؔ،
منصورہ طبیہ کالج، مالیگاؤں

تعارف وتبصرہ

خالقِ کائنات کا حقیقت پسندانہ تصور

مصنف: ڈاکٹر محمد معظم علی

سنہ اشاعت: ۲۰۱۵ء

صفحات: ۲۲۰، **قیمت:** ۱۲۵؍روپے

ملنے کا پتہ: اسلامی کتب گھر، ۲۸۶۱، کوچہ چیلان، دریا گنج نئی دہلی

تبصرہ: محمد اسعد فلاحی، مرکز جماعت اسلامی ہند، نئی دہلی

انسان کے لیے کائنات میں سب سے بڑی حقیقت خالق کائنات کا وجود ہے۔ اس کے ہونے یا نہ ہونے پر ہر چیز کا انحصار ہے۔ اگر خالق کے تصور کو تسلیم کر لیا جائے تو کائنات کی ہر چیز بامعنی اور با مقصد نظر آتی ہے، ورنہ ساری چیزیں مہمل اور فضول قرار پاتی ہیں۔

کوئی بھی عقل مند انسان اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ اس کائنات کا کوئی خالق ہے۔ پوری کائنات چیخ چیخ کر کہہ رہی ہے کہ اس کا ایک خالق ہے اور وہ یک وتنہا ہے۔ جو شخص بھی ان کھلی ہوئی نشانیوں کا انکار کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ کائنات خود بہ خود وجود میں آ گئی، وہ ایسا اپنی عقل سے نہیں، بلکہ اپنے جذبات سے مغلوب ہو کر کہتا ہے۔ کیونکہ اگر اس نے خالق کائنات کے تصور کو مان لیا تو اس کے نتیجہ میں اسے کچھ اخلاقیات کا پابند ہونا پڑے گا، جبکہ وہ ایسا کرنا نہیں چاہتا۔

خود کو اخلاقی پابندیوں سے آزاد رکھنے کی خواہش انسان کو انسان نہیں رہنے دیتی اور وہ شتر بے مہار بن کر رہ جاتا ہے۔ اس کا صرف ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے کہ زمین ظلم وفساد سے بھر جاتی ہے۔ اس کے برخلاف ایک عقل مند انسان ان نشانیوں کو دیکھ کر اپنا سر خالق کائنات کے آگے جھکا دیتا ہے اور اس کے مقرر کردہ حقوق وقیود کی پابندی کرتے ہوئے اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتا ہے، جس کے نتیجہ میں وہ اس عظیم کائنات سے ہم آہنگ ہو کر 'فتبارك الله احسن الخالقين ' کی صدا لگانے لگتا ہے اور اپنے آپ کو خالق کے شکر گزار بندوں میں شامل کر لیتا ہے۔

زیرنظر کتاب میں خالق کائنات کے وجود پر جامع گفتگو کی گئی ہے، پھر مختلف عنوانات کے تحت خالق اور انسان کے باہمی تعلقات اور خالق کائنات کی خصوصیات کا تذکرہ کیا گیا اور اس کا واضح اور متوازن تصور دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ایک ایسا تصور جو انسانی فطرت سے ہم آہنگ ہے اور اس سے دل کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

ضرورت ہے کہ اس کتاب کا ہندی اور انگریزی ترجمہ بھی شائع کیا جائے، تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگوں تک اس پیغام کو عام کیا جاسکے۔امید ہے کہ یہ کتاب دین بیزاری اور الحاد کے اس دور میں ان لوگوں کے لیے، جو آفاق وانفس کے بے شمار دلائل اور کائنات میں موجود کھلی نشانیوں کو دیکھنے کے باوجود وجود باری تعالیٰ کا انکار کر بیٹھتے ہیں، تلاش حق کے سلسلے میں ایک اہم ذریعہ ثابت ہوگی۔

سفینۂ غم دل

مصنف: پروفیسر محسن عثمانی ندوی

ناشر: نیو کریسنٹ پبلشنگ کمپنی، ۲۰۳۵، گلی قاسم جان، دہلی

صفحات: ۲۴، **قیمت**: ۲۰

تبصرہ: محمد اسعد فلاحی، مرکز جماعت اسلامی ہند، نئی دہلی

پروفیسر محسن عثمانی ندوی کا شمار عصر حاضر کے علمی وادبی حلقوں کے نامور اہل قلم میں ہوتا ہے۔ موصوف ہمہ جہت شخصیت کے مالک، معروف اسکالر اور عصری علوم پر گہری نظر رکھتے ہیں۔اب تک مختلف موضوعات پر ان کی تین درجن سے زائد چھوٹی بڑی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ان کا خاص موضوع موجودہ دور میں عالمِ اسلام کے بدلتے ہوئے حالات ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب میں فاضل مصنف نے مصر، خلیجی ممالک اور شام میں بے قصور مسلمانوں پر ہو رہے مظالم، وہاں کی روزمرہ کی زندگی، بدلتے ہوئے حالات اور سیاسی منظر نامہ کا خوب صورت تجزیہ کیا ہے۔ مصر میں عوام کے قتل وخون اور جمہوری طور سے منتخب مرسی حکومت کو فوج کے ذریعہ برطرف کیے جانے کے مسئلہ پر بھی انہوں نے بے خوف وخطر اظہارِ خیال کیا ہے۔اسلوب نہایت دردمندانہ ہے، معذرت خواہانہ بالکل نہیں، ادبی چاشنی بھی خوب ہے، استعاروں اور محاوروں نے تحریر میں چار چاند لگا دیے ہیں۔

یہ تحریر آئین جواں مردی، حق گوئی و بے باکی کی مکمل تصویر ہے۔اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے

کہ مصنف نے غیر ضروری لفاظی اور خلل انگیز طوالت سے گریز کیا ہے اور تحریر کو مقصدیت سے دور نہیں ہونے دیا ہے۔ عالم اسلام کے موجودہ حالات سے دلچسپی اور اسلام اور مسلمانوں سے ہمدردی رکھنے والوں کے لیے یہ ایک عمدہ اور مؤثر تحریر ہے۔ امید ہے کہ اسے عوام وخواص میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

روپ کی رانی

افسانہ نگار: احمد ندیم مورسنڈوی

صفحات: 128، **قیمت**: درج نہیں

اشاعت: 2016ء

ناشر: اسباق پبلی کیشنز، سائرہ منزل 230/B/102 وامان درشن سنجے پارک لوہ گاؤں روڈ، پونے۔ مہاراشٹر

تبصرہ: سعید اختر اعظمی

تخلیق کار کوئی بھی ہو اس کی تخلیقی جہت مختلف ہوتی ہے۔ کسی کی تقلید کرنے والا ازخود اپنی شناخت کھو بیٹھتا ہے۔ شعراء وادباء خواہ عہد قدیم کے ہوں یا جدید کے، اپنے تجربے ومشاہدے کو بروئے کار لا کر وہ فکشن وشاعری تخلیق کر رہے ہیں اور ہجوم میں الگ دکھائی دینے کے لیے کوشاں ہیں۔ احمد ندیم مورسنڈوی ان ہی میں سے ایک ہیں جن کے بارے میں نذیر فتح پوری کی رائے یوں ہے۔ 'ہر طرف شور ہے اردو افسانہ مر چکا ہے کیونکہ اب اردو میں منٹو، کرشن، بیدی اور عصمت جیسے لوگ نہیں ہوتے۔ میں کہتا ہوں اب ان لوگوں کی کیا ضرورت ہے۔ وہ لوگ جس کام کے لیے وارد دنیا ہوئے تھے وہ پورے خلوص اور ایمانداری سے اپنا کام انجام دے کر چلے گئے۔ ان کے بعد جتنے لوگ افسانے لکھ رہے ہیں وہ اپنے فرض کی ادائیگی کر رہے ہیں، اپنے حالات، اپنے ماحول، اپنے جذبات اور اپنے عصر کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ ایسے ہی نمائندگی کرنے والے افسانہ نگاروں میں ایک نام احمد ندیم مورسنڈوی کا بھی ہے۔ یہ احمد ندیم قاسمی نہیں بلکہ احمد ندیم مورسنڈوی ہیں۔ یہ 1970 سے لکھ رہے ہیں اور مسلسل لکھ رہے ہیں'۔

طویل عرصہ خامہ وقرطاس سے ربط رکھنے والے احمد ندیم مورسنڈوی نے پہلے ناول نگاری میں طبع آزمائی کی اور 'چاند کا ٹکڑا' لکھ ڈالا۔ پھر انھوں نے اپنی شاعری کے بکھرے اوراق یکجا کیے اور 'آئینۂ سخن' پیش

کر دیا۔ 1976 میں یہ افسانہ کی زلف گرہ گیر کے اسیر ہوئے اور 'سب سے خوبصورت عورت' لکھ کر داد حاصل کی۔ ان افسانوں کو کتابی صورت دینے کا مرحلہ قدرے تاخیر سے آیا ہے۔ دیر آید درست آید 'روپ کی رانی' اپنے تمام تر تخلیقی جمال وکمال کے ساتھ قارئین کے روبرو ہے۔ دو درجن افسانوں کا یہ مجموعہ موضوعاتی تنوع کے ساتھ منفرد انداز بیان بھی رکھتا ہے۔ 'جنت کی راہ' حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی ادائیگی پر توجہ دلاتا ہے تو 'آگ' میں برائی کا بدلہ بھلائی سے دینے پر زور ہے۔ 'نامردے' جیسی کرنی ویسی بھرنی ہے تو 'مجھے فرصت مل گئی' افسانہ نگار سے دوشیزہ کا رومان۔ 'مرا تو سب کچھ لٹ گیا' میں بے ایمانی کی مصنوعی چکاچوندھ کے مقابلہ میں ایمانداری کے نجم وکواکب کی تادیر ٹمٹماہٹ ہے تو 'شہزادی' بخت کی ٹھوکروں میں رہنے والی کی بپتا۔ 'چندا' عورت کی خودمختاری ہے تو 'دیس کا سپاہی' تربیت اطفال سے غفلت کا بھیانک انجام۔ 'انتقام' بہترین آئیڈیل شریک سفر کا انتخاب ہے تو 'خیالوں کے تلاطم' شک کی زہر افشانی۔ 'مرمریں مجسمہ' بے وفائی کے بھی اسباب ہوا کرتے ہیں تو 'تنہائی' ہجر کی طویل مسافت۔ 'آنسو بن گئے پھول' بے وفائی کے پس پردہ وفاداری ہے تو 'روپ کی رانی' معصومیت کے شکاریوں کا ستم۔

'ایک شب کی بیوی' اہل زر کی غریب دوشیزہ سے جنسی ہوس کی طلب ہے محبت نہیں، تو 'شہنشاہ جرم' فرض کی پکار۔ 'گھر پریوار' دوسری شادی پہ شریک حیات کا ازلی سمجھوتہ ہے تو 'کون ہے مجرم' قانون کے محافظ۔ 'سنیاس' بدعنوانی کے خلاف اعلان جنگ ہے تو 'پاپ کی دنیا' حصول زر کا شاخسانہ۔ 'اُمیدوں کے ستارے' میں محبت ایثار کا دوسرا نام ہے تو 'عورت کا یہ روپ بھی' خاوند کا گھر بیوی کے لیے جنت۔ 'حلال مال' خون پسینے کی کمائی کا درد ہے تو 'ایسے' میں یہ درس دیا گیا ہے کہ ایمانداری بھلے ہی سودائے زیاں ہو مگر یہ ضمیر کو مطمئن رکھتا ہے۔ ایک قلم کار کی یہ سوغات اس کی سوچ، زاویہ نظر اور فکری حوالوں کا اعتبار یہ ہے۔ فکشن پڑھا جا رہا ہے اور خوب پڑھا جا رہا ہے۔ اسی ضمن میں احمد ندیم مورسنڈوی کے افسانے بھی قاری کی نگاہ کرم اور نئی نسل کی توجہ کے طالب ہیں۔ جستہ جستہ، سطر در سطر اور صفحہ در صفحہ ان کے مطالعہ کا عمل جاری رہنا چاہیے تاکہ تخلیق اور تخلیق کار دونوں کے زندہ رہنے کا جواز فراہم ہو سکے۔

آپ کے خطوط

اسعد مظہر فلاحی، تصنیفی اکیڈمی، مرکز جماعت اسلامی ہند، نئی دہلی

جامعۃ الفلاح ہندوستان کے ممتاز ترین مدارس میں سے ہے۔ جماعت اسلامی ہند کے اکابرین کے ذریعہ اس گہوارۂ علم ودانش کو(۱۹۶۲ء) وجود میں لایا گیا تھا۔ اس کے پیش نظر یہ مقصد کارفرما تھا کہ علم وفن کی اس دانش گاہ کی آغوش تربیت میں ایسے نوجوانوں کی پرورش ونشو ونما ہو جو اسلامی علوم سے بہرہ ور ہونے کے ساتھ عصری علوم سے بھی واقفیت رکھتے ہوں تا کہ سماج اور معاشرے کے رہنمائی کرتے وقت دینی بصیرت کے ساتھ عصری بصارت بھی ان کے اندر موجود ہو۔

زیر نظر جریدہ 'حیات نو' جامعۃ الفلاح کے فارغین 'انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح' کا ترجمان (آرگن) ہے۔ ہر ذی ہوش شخص اس بات کو مانتا ہے کہ جو طاقت وقوت اجتماعیت میں ہے وہ انفرادیت میں نہیں ہے۔ اکابرین اور فارغین جامعۃ الفلاح کو بھی اس بات کا شدت سے احساس تھا کہ کوئی اجتماعی پلیٹ فارم، ترجمان یا آرگن ضرور ایسا ہونا چاہیے، جس کے ذریعے سے مضبوطی اور مستحکم انداز میں اپنے خیالات، افکار اور نظریات کو لوگوں کے سامنے پیش کر سکیں۔ چنانچہ 'حیات نو' کو وجود میں لایا گیا۔

حیات نو کا پہلا شمارہ ۱۹۷۸ء میں منظر عام پر آیا۔ اس کو وجود میں لانے کے سلسلے میں جو مقاصد اور عزائم پیش نظر تھے، ان میں سے ایک اہم مقصد یہ بھی تھا کہ فارغین جامعۃ الفلاح کو مقاصد جامعہ کے حصول کے لیے منظّم کیا جائے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں فلاحی برادران اس جریدہ سے اپنی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے میں مدد لیتے ہیں وہیں دوسری طرف وہ مقاصد جامعہ کی تکمیل میں اہم رول ادا کرتے ہیں۔

حیات نو کی اشاعت کی تاریخ طویل ہے۔ یہ انتہائی مسرت کی بات ہے کہ اپنی پیدائش (۱۹۷۸) سے اب تک تسلسل کے ساتھ یہ جریدہ اپنے سفر میں رواں دواں ہے۔ اور امید ہے کہ ان شاء اللہ آگے بھی اسی طرح سفر جاری رہے گا۔

زیرنظر حیات نو کا خصوصی شمارہ سیرت طیبہ کے مختلف گوشوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اداریہ (ابوالاعلیٰ سید سبحانی) پیام سیرت (سید جلال الدین عمری) اور پیغام (مشرف حسین صدیقی) کے علاوہ محسن انسانیتؐ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر اکیس (۲۱) خوب صورت تحریریں شامل ہیں۔ مضامین کے درمیان میں اور آخر میں نعت پاک کو بھی جگہ دی گئی ہے۔ اس سے اس خصوصی پیش کش کی خوبصورتی میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ یہ پیشکش حقیقت میں ایک حسین گلدستہ کے مانند ہے، جس میں فکر، عزم اور حوصلے کی بھینی بھینی خوشبو محسوس کی جا سکتی ہے۔

خداوند قدوس سے دعا ہے کہ 'حیات نو' کو زندۂ جاوید بنائے، اسے اسلام کی ترجمانی کرنے کا حوصلہ عطا فرمائے اور مادر علمی جامعۃ الفلاح کے مقاصد و اہداف کی حصول یابی میں معاون و مددگار بنائے۔ آمین

عبدالحاکم مجاہد فلاحی، مرکز جماعت اسلامی ہند

حیات نو کا خصوصی شمارہ "محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نمبر" ایک طویل انتظار کے بعد موصول ہوا۔ ڈاکٹر محی الدین غازی صاحب، ضمیر الحسن خاں فلاحی صاحب اور اشتیاق عالم فلاحی صاحب کا مضمون خصوصی طور پر پسند آیا۔ اللہ تعالی ذمہ داران انجمن کی کاوشوں کو شرف قبولیت بخشے، ان کی کوششوں سے "حیات نو" نے رسائل و جرائد کی دنیا میں اپنا مقام بنایا ہے۔

میرے علم کی حد تک یہ رسالہ صرف فلاحی برادران تک ہی نہیں بلکہ تحریکی حلقوں میں بھی بڑے شوق سے پڑھا جاتا ہے بلکہ اس کا شدت کے ساتھ انتظار کیا جاتا ہے۔ اک بڑا حلقہ ہے جو فلاحی برادران کی کاوشوں کو بڑے قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

حیات نو کے تعلق سے میرا ذاتی احساس یہ ہے کہ اگر اس کے انتظامی امور کی طرف خصوصی توجہ دی جائے تو یہ اردو کے ان پرچوں میں سے ہوگا جو خود کفیل ہیں۔ بہت افسوس ہوتا ہے کہ ابھی اس کلی نے خوش بو بکھیری بھی نہیں کہ سہ ماہی کی شکل میں بیچ بیچ میں شائع ہو کر دل کی دھڑکنوں کو بڑھا جاتا ہے۔ اللہ تعالٰی جلد از جلد حیات نو کے مسائل حل فرمائے، آمین.

مدیر حیات نو کا بہت بہت شکریہ کہ انہوں نے میرے مضمون کے نوک پلک درست فرما کر خصوصی شمارہ میں جگہ دی۔ اللہ تعالی جزائے خیر سے نوازے۔

جامعہ کے لیل ونہار

مصباح الباری فلاحی، استاذ شعبۂ اعلی، جامعۃ الفلاح

چھٹا اجلاس عام انجمن طالبات قدیم (کلیۃ البنات) جامعۃ الفلاح

۲۲/۲۳/اکتوبر ۲۰۱۷ء بروز شنبہ و یک شنبہ کلیۃ البنات میں بعنوان ''وسارعوا الی مغفرة من ربکم ''، انجمن طالبات قدیم کا دو روزہ چھٹا اجلاس عام منعقد ہوا۔ یہ پروگرام افتتاحی، تربیتی، اصلاحی، تعارفی، دعوتی، ادبی اور انتخابی سیشنوں پر مشتمل تھا۔

افتتاحی سیشن کا آغاز محترمہ ام سلمٰی صاحبہ (معلّمہ شعبہ حفظ طالبات) کی تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔ طالبات نے ترانہ جامعہ پیش کیا۔ جناب مولانا نعیم الدین اصلاحی صاحب، مہتمم تعلیم وتربیت نے درس قرآن پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ اس وقت مسلمانوں کے اندر حب دنیا سوار ہوگئی ہے۔ اگر مال وجان، عورتیں، بچے اطاعت رسول میں حائل ہوں تو اس سے نجات حاصل کرنا ایمان کا تقاضا ہے۔ مولانا نظام الدین اصلاحی صاحب نے اپنی گفتگو میں فارغات کو پیغام دیتے ہوئے فرمایا کہ فارغات اور طالبات امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ پابندی کے ساتھ انجام دیں۔ خواتین پر اسلام کے بہت سے احسانات ہیں۔ آپ اسلام کے ان خوبیوں کو ہندو بہنوں میں عام کریں۔ صدر انجمن طالبات محترمہ نورالصباح فلاحی صاحبہ نے خطبہ استقبالیہ پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ فارغات اور طالبات اپنے اندر تفقہ فی الدین پیدا کریں۔ ترجیحات دین کو جانیں۔ اپنے اندر صلاحیت اور صالحیت پیدا کریں۔ ایک زندہ ومتحرک معاشرہ کا نمونہ پیش کریں۔ سکریٹری انجمن طالبات محترمہ سلمی سجاد فلاحی صاحبہ نے انجمن طالبات کی رپورٹ پیش کی اور اس کے ساتھ انجمن طالبات کے مقاصد پر بھی روشنی ڈالی۔ صدارتی خطبہ میں محترمہ ساجدہ فلاحی صاحبہ نے فرمایا کہ وسارعوا الی مغفرة من ربکم، یہ آیت ہم سے اپنے رب کی مغفرت کا مطالبہ کررہی ہے۔ اس لیے ہماری پوری زندگی اللہ کی رضا وخوشنودی کے لیے وقف ہونی چاہیے۔ افتتاحی سیشن میں نظامت کے فرائض محترمہ عارفہ زینت فلاحی

صاحبہ (معلّمہ شعبہ اعلی طالبات) نے انجام دیے۔

اجلاس دوم تربیتی سیشن کی نظامت کے فرائض محترمہ حبیبہ اسعد فلاحی صاحبہ نے انجام دیے۔صدر معلّمہ شعبہ اعلی طالبات محترمہ سلمی صالحاتی صاحبہ کی عدم موجودگی میں ان کے ارسال کیے ہوئے پیغام کو نائب صدر معلّمہ شعبہ اعلی طالبات محترمہ شہناز صاحبہ نے پیش کیا۔انہوں نے فارغات کی مادر علمی میں آمد پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ دنیا کی رنگینیوں میں آج ہم الجھ گئے ہیں،فریضہ اقامت دین سے غفلت برت رہے ہیں، اس پہلو سے ہم اپنا جائزہ لیں اور احتساب کریں۔نائب ناظم جامعہ محترم جناب مولانا مقبول احمد فلاحی صاحب نے ''سماجی برائیوں کا انسداد اور خواتین اسلام'' کے موضوع پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ برائیوں کا سیلاب ہمارے گھروں میں داخل ہو چکا ہے،اس کے سدباب کے لیے سب سے پہلے ہمیں خود باشعور ہونا پڑے گا۔حق کے محاذ پر ہمیں قائم رہنا ہوگا۔بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا ہوگا، شیطان کی چالوں سے بچنا ہوگا۔محترم جناب مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی مدنی صاحب نے ''اہل خانہ کی تربیت اور خواتین'' کے عنوان پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ امت کی نئی نسل بنتی یا بگڑتی ہے،اس کی ذمہ داری خواتین کو لینی ہوگی۔خواتین ہی امت کی مربیہ ہیں۔ابراہیمؑ کے بیٹے اسماعیلؑ اور نوحؑ کے بیٹے کی مثال ہمارے سامنے موجود ہے۔ایک کا بیٹا ایمان لایا اور حضرت نوحؑ نے ساڑھے نوسو سال تک دعوت دی لیکن ان کا بیٹا ایمان نہیں لایا۔ضرورت ہے کہ خواتین اپنی ساری تگ ودو نئی نسل کی تعمیر میں لگائیں کیونکہ ان کا اصل میدان کار ان کا اپنا گھر اور خاندان ہے۔ماحول میں تازگی پیدا کرنے کے لیے محترمہ شگفتہ وہاب فلاحی صاحبہ (اتاؤ) نے اپنی مترنم آواز میں ایک نظم پیش کی۔اخیر میں محترمہ سلمی سلامت فلاحی صاحبہ نے شرکاء اجتماع کو چند ہدایات پیش کیں۔

اجلاس سوم، مذاکرہ کے سیشن کی صدارت محترمہ ڈاکٹر بازغہ تبسم صاحبہ نے فرمائی۔نظامت کے فرائض محترمہ شبانہ خورشید فلاحی صاحب نے انجام دیے۔اس مذاکرہ کا عنوان تھا ''غلبہ دین میں خاندان کا رول''۔اس مذاکرہ میں مندرجہ ذیل بہنوں نے شرکت کی:

ا۔محترمہ مریم جمیلہ فلاحی صاحب	۲۔محترمہ قریشہ فلاحی صاحبہ
۳۔محترمہ فرحین اسرار فلاحی صاحبہ	۴۔محترمہ ذکیہ سنجری فلاحی صاحبہ
۵۔محترمہ حمیدہ فلاحی صاحب	۶۔محترمہ کلثوم طاہر فلاحی صاحبہ۔

صدارتی کلمات مہمان خصوصی محترمہ ڈاکٹر بازغہ تبسم صاحبہ نے پیش کیے۔نیز مذاکرہ کے موضوع

کے تحت اپنے خیالات کا اظہار کیا اور خوشی ظاہر کی کہ تمام ہی شرکاء نے کافی محنت اور تیاری کے ساتھ شرکت کی۔انہوں نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ اب ہماری بہنیں بھی علمی اور دینی کاموں میں حصہ لے رہی ہیں اور امت کی نئی نسل کی تعمیر کے لیے کوشاں ہیں۔

اجلاس چہارم،تعارفی سیشن بعد نماز مغرب شروع ہوا۔اس سیشن میں فارغات جامعہ نے اپنی تحریکی سرگرمیوں کا تعارف پیش کیا اور اس پر تبادلہ خیال ہوا،اور اسی طرح تحریکی سرگرمیوں میں جو مسائل درپیش ہیں ان پر بھی سیر حاصل گفتگو ہوئی۔نیز اپنے تجربات کی روشنی میں بہت سے مشورے بھی آپس میں شیئر کیے۔اس سیشن میں نظامت کے فرائض محترمہ طلعت خانم فلاحی صاحبہ نے انجام دیے۔بعد نماز عشاء ایک **ادبی نشست** زیر صدارت محترمہ ثمرہ یعقوب فلاحی صاحبہ منعقد ہوئی۔اس ادبی نشست میں مندرجہ ذیل فلاحی بہنوں نے اپنے اپنے کلام پیش کیے:

محترمہ آسیہ فلاحی صاحبہ،محترمہ فرح شاہد فلاحی صاحبہ،محترمہ امیمہ عارف فلاحی صاحبہ،محترمہ کلثوم طاہر فلاحی صاحبہ،محترمہ سعیدہ ارشد فلاحی صاحبہ،محترمہ ثمرہ یعقوب فلاحی صاحبہ،محترمہ عارف زینت فلاحی صاحبہ،محترمہ فرقانہ فلاحی صاحبہ،محترمہ عصمت بدر فلاحی صاحبہ،محترمہ عفت بدر فلاحی صاحبہ،محترمہ نصرت رضی فلاحی صاحبہ۔

اس ادبی نشست میں نظامت کے فرائض محترمہ بشریٰ عارف فلاحی صاحبہ نے انجام دیے۔

۲۳/اکتوبر ۲۰۱۷ء بروز دوشنبہ **اجلاس پنجم** دعوتی سیشن کا آغاز محترمہ صالحہ عبدالمنان فلاحی صاحبہ کی تلاوت قرآن سے ہوا۔محترمہ امیمہ فلاحی صاحبہ نے اپنی مترنم آواز میں ایک نعت پیش کی۔مولانا احسان الحق فلاحی صاحب نے درس حدیث پیش کرتے ہوئے تقویٰ کی حقیقت پر روشنی ڈالی اور داعی حق کی ذمہ داریوں کو بھی اجاگر کیا۔مولانا محمد عمران فلاحی صاب نے ایک اہم موضوع ''تقسیم میراث سے غفلت اور اس کے نتائج'' پر خطاب کرتے ہوئے میراث کی اہمیت پر تفصیلی گفتگو فرمائی،آپ نے توجہ دلاتا ہوئے فرمایا کہ فارغات جامعہ کی ذمہ داری ہے کہ انسانوں کو صحیح اور امن وعافیت والے طریقہ زندگی سے روشناس کرائیں۔محترمہ شمسیہ صالحاتی صاحبہ نے ''اسلامی بیداری میں عالمات کا کردار'' کے عنوان پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ ہماری پہچان ہمارا کردار ہے۔ہمیں قرآن وسنت کا گہرا علم ہونا چاہیے۔ہم اپنے اندر سے خواہش، رسم ورواج کی اتباع اور اپنے جیسے لوگوں کی اتباع کو اپنی زندگی سے نکال پھینکیں۔ہمیں صحابہ وصحابیات کی زندگیوں سے بھی سبق لینے کی ضرورت ہے۔پہلے خطاب عام میں محترمہ ساجدہ

ابواللیث فلاحی صاحبہ نے ''ملک کی موجودہ صورت حال اور ہماری ذمہ داریاں'' کے عنوان پرلب کشائی کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے ملک کی صورت حال انتہائی ناگفتہ بہ ہے۔خواتین کی عزت وناموس خطرے میں ہے،اسلامی احکام کے خلاف پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے۔اس لیے ہماری ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم اصلاح معاشرہ کی فکر کریں اوراپنے اخلاق وکردار کوسنواریں۔دوسرے خطاب عام میں محترمہ ڈاکٹر بازغہ تبسم صاحبہ نے ''ہندوستان میں عائلی قوانین کیوں اور کیسے'' کے عنوان پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ تحفظ شریعت اسی وقت ممکن ہے جب نفاذ شریعت ہوگا۔یہ نہ تقریر سے ممکن ہے اور نہ ہی لکچر سے۔اس لیے ہمیں اقامت دین کی کوشش کرنی چاہیے اورعملی دنیا میں سامنے آنا چاہیے۔خصوصی خطاب میں محترمہ تسنیم نزہت صاحبہ نے ''دعوت دین اور ہمارافرض منصبی'' کے عنوان پراظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ آج ہم نے اپنے فرض منصبی کو بھلا دیا ہے۔عمر بن خطاب کوعمر فاروق بنانے والی کتاب ہمارے پاس موجود ہےلیکن یہ مظلومی ومحکومی ہمارا مقدر کیوں ہے؟ ضرورت ہے کہ ہم قرآن کے ذریعہ اپنے کردارکو سنواریں اوراللہ کے قوانین پرعمل کریں۔اختتامی کلمات میں محترمہ آسیہ فلاحی صاحبہ نے فرمایا کہ آج ہمیں حالات سے باخبر رہنے کی ضرورت ہے۔امت مسلمہ کا مقصد اعلائے کلمۃ اللہ ہے۔ہم اپنے اندر قناعت پسندی کی صفت پیدا کریں۔قرآن سے اپنے تعلق کو مضبوط کریں اورعبادت کے ساتھ ساتھ دعا بھی کریں۔کلمات تشکر صدر انجمن محترمہ نورالصباح فلاحی صاحبہ نے پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ اس اجلاس کے انعقاد میں جن لوگوں نے تعاون کیا ہے،ان کا میں تہہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں۔محترمہ عزت باجی(رکن جماعت اسلامی ہند) کے دعائیہ کلمات پر یہ سیشن اختتام پذیر ہوا۔نظامت کے فرائض محترمہ سلمی سلامت اللہ فلاحی صاحبہ نے انجام دیے۔

اجلاس ششم، اختتامی سیشن میں تعلیمی مظاہرہ محترمہ شہناز صاحبہ معاون صدر معلّمہ کلیۃ البنات کی زیرصدارت منعقد ہوا۔طالبات جامعہ نے عربی،اردو،ہندی اورانگریزی زبان میں تقاریرکیں۔اسی طرح مکالمے،نظمیں،تمثیلی ومنظوم ڈرامہ بھی طالبات نے پیش کیا۔آخر میں تعلیمی مظاہرہ کی ذمہ دارمحترمہ شبنم انورصالحاتی صاحبہ نے نے کلمات تشکر پیش کیے۔اس سیشن میں نظامت کے فرائض سکریٹری جمعیۃ الطالبات محترمہ اسماء بتول صاحبہ(متعلمہ فضیلت سال اول) نے انجام دیے۔

انتخابی سیشن محترمہ شمسیہ صالحاتی صاحبہ کی صدارت میں منعقد ہوا۔نظامت کے فرائض محترمہ نصرت رضی صاحبہ نے انجام دیے اورمحترمہ ابواللیث فلاحی صاحبہ کوانجمن طالبات قدیم کا صدر منتخب

کیا گیا۔اس کے بعد قدیم وجدید صدر نے اپنے اپنے کلمات پیش کیے۔اس کے بعد ذمہ داران انجمن طالبات قدیم کے انتخابی نتائج کا اعلان کیا گیا،جن کی فہرست درج ذیل ہے:

۱۔صدر انجمن: محترمہ ساجدہ ابواللیث فلاحی صاحبہ

۲۔نائب صدر انجمن: محترمہ نور الصباح فلاحی صاحبہ

۳۔سکریٹری انجمن: محترمہ عارفہ زینت فلاحی صاحبہ

۴۔خازن: محترمہ سلمیٰ سجاد فلاحی صاحبہ

۵۔محاسب: محترمہ سلمیٰ سلامت اللہ فلاحی صاحبہ

۶۔مدیرہ: محترمہ آسیہ فلاحی صاحبہ

۷۔معاون مدیرہ: محترمہ نسرین ضیاء فلاحی صاحبہ

نومنتخب شوریٰ انجمن طالبات قدیم:

۱۔محترمہ عارفہ زینب فلاحی صاحبہ

۲۔محترمہ نور الصباح فلاحی صاحبہ

۳۔محترمہ سلمیٰ سلامت اللہ فلاحی صاحبہ

۴۔محترمہ نصرت رضی فلاحی صاحبہ

۵۔محترمہ آسیہ فلاحی صاحبہ

۶۔محترمہ نسرین ضیاء فلاحی صاحبہ

۷۔محترمہ بشریٰ خورشید فلاحی صاحبہ

۸۔محترمہ عائشہ طاہر فلاحی صاحبہ

۹۔محترمہ پروین ادریس فلاحی صاحبہ

۱۰۔محترمہ بشری وہاب فلاحی صاحبہ

۱۱۔محترمہ شگفتہ شاہین فلاحی صاحبہ

۱۲۔محترمہ سلمیٰ سجاد فلاحی صاحبہ

۱۳۔محترمہ شبانہ خورشید فلاحی صاحبہ

۱۴۔محترمہ راشدہ فرخ فلاحی صاحبہ

۱۵۔محترمہ ارجمند فلاحی صاحبہ

جمعیۃ الطلبۃ کی جانب سے بیت بازی کا مسابقہ

۲رنومبر ۲۰۱۷ء بروز پنجشنبہ بعد نماز مغرب ابواللیث ہال میں بیت بازی کا مقابلہ منعقد ہوا۔اس میں کل دس گروپوں نے حصہ لیا اور اکبرالہ آبادی گروپ نے پوزیشن حاصل کی،پوزیشن حاصل کرنے والے گروپ میں مندرجہ ذیل طلبہ شریک تھے:

۱۔محمد اسماعیل،عربی چہارم (الف)۔دہلی

۲۔کفایت خان،فضیلت سال اول،اناؤ،یوپی

۳۔واحد علی،عربی سوم (ب)،یوپی

۴۔سید کاشف،عربی دوم (ب)،مہاراشٹر

۵۔امام الامم،عربی اول (الف)، نیپال

اسی طرح وال میگزین کا مسابقہ دو گروپ میں منعقد ہوا۔ پہلا گروپ عربی چہارم تا فضیلت اور دوسرا گروپ عربی اول تو سوم اور حفظ وثانوی کے طلبہ پر مشتمل تھا۔عربی چہارم تا فضیلت گروپ میں درج ذیل طلبہ نے پوزیشن حاصل کی۔

۱۔آصف واعظ، نیپال،اول　　　۲۔رضوان عالم،سوپول، بہار، دوم

۳۔شاداب احمد،سوم

دوسرے گروپ میں پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ کی فہرست درج ذیل ہے:

۱۔مرزا عاطف شاداب،عربی دوم۔اول　　　۲۔محمد وقاص،عربی دوم۔دوم

۳۔ابوعبادہ عبدالعظیم،عربی اول۔سوم

معمل اللغۃ اور جمعیۃ الطلبہ کا تقسیم انعامات کا پروگرام

۴؍نومبر ۲۰۱۷ء ابواللیث ہال میں تقسیم انعامات کا پروگرام جناب مولانا عبدالعظیم فلاحی صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا۔اس مسابقے میں کامیاب طلبہ کو اساتذہ کرام کے بدست انعامات تقسیم کیے گئے اور اسی طرح معمل اللغہ کے مسابقہ کے کامیاب طلبہ کو انعامات سے نوازا گیا،جن کی فہرست درج ذیل ہے:

۱۔محمد ذیشان،فضیلت سال اول۔اول　　　۲۔عبدالقادر،فضیلت سال اول۔دوم

۳۔عبیداللہ ثناءاللہ،عربی پنجم۔سوم

صدارتی کلمات پیش کرتے ہوئے جناب مولانا عبدالعظیم فلاحی صاحب نے فرمایا کہ تمام ہی اساتذہ کا احساس ہے کہ طلبہ اب تقریری مقابلوں میں حصہ نہیں لیتے۔یہاں یہ روایت رہی ہے کہ طلبہ کو اچھے اشعار حفظ ہوتے تھے لیکن اب ایسا نہیں ہے۔طلبہ اس جانب توجہ دیں،موبائل اور سیریل پر توجہ نہ دیں، بلکہ علم وتحقیق پر توجہ دیں،محنت کریں، یہاں کے فارغ طلبہ اپنی صلاحیت کا لوہا منواتے ہیں،لیکن یہ سب محنت سے ہوا ہے اور ہوگا، بغیر محنت کے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔نظامت کے فرائض ابومعاذ صالح فضیلت سال اول نے انجام دیے۔

جامعہ میں ایس آئی او، یوپی مشرق کا یک روزہ تربیتی کیمپ

۵؍نومبر ۲۰۱۷ء بروز یکشنبہ جامعہ کے مرکزی لائبریری ہال میں ایس آئی او یوپی مشرق کا یک روزہ ممبرس ٹریننگ کیمپ منعقد ہوا۔درس قرآن مہتمم تعلیم وتربیت جناب مولانا نعیم الدین اصلاحی

صاحب نے پیش کیا۔ترانہ تنظیم برادر محمد ابراہیم خاں صدر فلاح یونٹ نے پیش کیا۔اس کے بعد تمام شرکائے کیمپ نے اپنا تعارف پیش کیا۔سکریٹری حلقہ جناب مسیح الزماں صاحب نے ''شمالی ہند کی سیاسی کشمکش اور ہماری ذمہ داریاں'' کے عنوان پر گفتگو کی۔ناظم جامعہ مولانا محمد طاہر مدنی صاحب نے (Deen,Movement and Myself) کے عنوان پر سیر حاصل گفتگو کرتے ہوئے دین کیا ہے؟تحریک کیا ہے؟اور ہماری ذمہ داریاں کیا ہیں؟ان ساری چیزوں پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ صدر حلقہ جناب محمد رافع فلاحی صاحب نے تنظیمی ڈھانچہ کے عنوان پر روشنی ڈالتے ہوئے، تنظیم کیا ہے؟تنظیم کسے کہتے ہیں؟تنظیم کے مقاصد کیا ہیں؟جیسے اہم نکات پر روشنی ڈالی۔دوسرے سیشن میں سکریٹری حلقہ جناب مسیح الزماں صاحب نے ''ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ'' کے عنوان پر گفتگو کی۔جناب مولانا ذکی الرحمٰن غازی ندوی فلاحی مدنی صاحب نے ''تنظیم اور تعلیم میں توازن'' کے عنوان پر گفتگو کی۔اوپن سیشن میں شرکاء کے مختلف سوالات کے صدر حلقہ وسکریٹری حلقہ نے تشفی بخش جوابات دیے۔نظامت کے فرائض جناب محمد نبیل (فضیلت سال دوم) نے انجام دیے۔

جناب خواجہ عارف الدین صاحب کی تذکیر

۶رنومبر ۲۰۱۷ء بروز دوشنبہ بعد نماز فجر سکریٹری جماعت اسلامی ہند جناب خواجہ عارف الدین صاحب کی ایک مختصر تذکیر جامعہ کی مسجد میں ہوئی۔موصوف نے فرمایا کہ جو وقت آپ لوگوں کو میسر ہے انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔اسے ضائع نہ کریں،اس کو صحیح اور اچھے کاموں میں استعمال کریں، جو وقت گزر جاتا ہے وہ دوبارہ نہیں لوٹتا۔محنت کیجئے اور کچھ بن کر دکھایئے۔

اساتذہ جامعہ کے ساتھ جماعت اسلامی ہند کے ذمہ داران کی نشست

۸رنومبر ۲۰۱۷ء بروز پنجشنبہ ابواللیث ہال میں جماعت اسلامی ہند کی جانب سے ایک پروگرام نائب ناظم جامعہ جناب مولانا مقبول احمد فلاحی صاحب کے زیر صدارت منعقد ہوا۔جناب مولانا اقبال احمد اصلاحی صاحب کی تلاوت قرآن سے پروگرام کا آغاز ہوا۔مولانا نعیم الدین اصلاحی صاحب نے افتتاحی کلمات پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ اس وقت دنیا کے حالات انتہائی خراب ہیں۔ہندوستان میں اس وقت جو حالت ہے یہ حالت اس سے پہلے کبھی نہیں رہی۔ظلم وبربریت عام ہے۔اس سے نجات صرف اور صرف اسلام ہی دے سکتا ہے۔تمام انسان آدم کے بیٹے ہیں اور ایک ہی ماں باپ کی اولاد

ہیں۔ اس پیغام کو عام کرنے کی ضرورت ہے۔ جناب مولانا مطیع اللہ فلاحی صاحب نے ''جماعت کے مقاصد'' پر گفتگو فرمائی۔ جناب مولانا محمد عمران فلاحی صاحب نے ''جماعت اسلامی اور جامعۃ الفلاح'' کے عنوان پر گفتگو کی۔ جناب مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی صاحب نے ''جماعت اسلامی اور تعلیم'' کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ مولانا رئیس احمد فلاحی صاحب نے جماعت کی سرگرمیوں میں شرکت اور سرگرم شرکت پر زور دیا۔

صدارتی کلمات پیش کرتے ہوئے نائب ناظم جامعہ مولانا مقبول احمد فلاحی صاحب نے فرمایا کہ جماعت کے مفکرین اور دوسرے مفکرین نے اسلام کی تصویر صاف کی ہے۔ مثلاً توحید اور بت پرستی، اسی طرح سیاست میں بھی کہ زمین میں اللہ کی بالادستی ہو۔ یہ اس کلمہ کی مجبوری ہے اسی لیے جماعت سیاست کی بات کرتی ہے۔ جب ہم نے محمدؐ کو رسول مانا ہے، اللہ کو اللہ مانا ہے تو اب زندگی کے ہر معاملے میں اسی کی مرضی چلے گی۔ اسی طرح دعوت صرف مسلمانوں میں کرنے کا کام نہیں ہے بلکہ ہر شخص کو اسلام کی دعوت پہنچانی ہے گویا جماعت نے کچھ نیا پیش کرنے کے بجائے امت کے لیے اسلام کی صحیح اور سچی تصویر صاف کرنے کا کام کیا ہے۔ کلمات تشکر امیر مقامی جناب ماسٹر حبیب صاحب نے پیش کیے اور نظامت کے فرائض جناب مولانا رئیس احمد فلاحی صاحب نے انجام دیے۔

فقہ السنہ کے ترجمہ کی تکمیل پر
مولانا ولی اللہ مجید قاسمی صاحب کی تکریم

۱۴ر نومبر ۲۰۱۷ء بروز شنبہ ابواللیث ہال میں مولانا ولی اللہ مجید قاسمی صاحب کے ذریعہ فقہ السنہ کے ترجمہ کی تکمیل پر تقریب تکریم منعقد ہوئی۔ ناظم جامعہ مولانا طاہر مدنی صاحب نے اپنی گفتگو میں فرمایا کہ مولانا ولی اللہ مجید قاسمی صاحب نے فقہ السنہ (السید السابق) کے ترجمہ کا کام چار سال پہلے شروع کیا تھا، اور اس ترجمہ کا کام اب پایہ تکمیل کو پہنچ گیا ہے۔ ان چار سالوں میں مولانا اپنی دوسری علمی وتدریسی خدمات بھی انجام دیتے رہے۔ آج مولانا کی تکریم کا پروگرام ہے۔ مہتمم تعلیم وتربیت جناب مولانا نعیم الدین اصلاحی صاحب نے مولانا ولی اللہ مجید قاسمی صاحب کو شال اڑھائی، اور ہدیہ پیش کیا۔

مولانا ولی اللہ مجید قاسمی صاحب نے اپنی گفتگو میں فرمایا کہ عالم اسلام کا ماحول بنانے میں فقہ السنہ کا بھی ایک رول ہے۔ مفتی محمد شفیع صاحب نے ایک جگہ فرمایا تھا کہ آپ لوگ حنفی مسلک پر رہیں لیکن حنفیت پر حدیث کو مت ڈھا لیے گا۔ اللہ سے دعا ہے کہ اس ترجمہ سے یہی مسلکی اختلافات کم ہوں گے۔

گزشتہ چار سال کا عرصہ میرے لیے مصروف ترین عرصہ رہا۔ میں جامعہ میں بھی مشغول رہتا اور جب گھر جاتا تو وہاں بھی کمرے میں بیٹھا ترجمہ کا کام کرتا رہتا، گھر کے لوگ پریشان ہوتے، لیکن پھر بھی میں اس میں لگا رہا، اور الحمدللہ آج یہ ترجمہ تکمیل کو پہنچا۔

تقسیم انعامات کی تقریب

۱۷نومبر ۲۰۱۷ء بروز جمعہ جامعہ کے استاذ جناب ماسٹر ذاکر نعمانی صاحب نے عربی اول کے طلبہ کے درمیان سیاسیات پر ایک انعامی مقابلہ کرایا۔ ۱۳۰ربچوں میں سے ساٹھ طلبہ نے اس میں شرکت کی۔ ۱۸رنومبر ۲۰۱۷ء بروز شنبہ ابواللیث ہال میں اس کے نتائج کا اعلان کیا گیا اور اوائل عشرہ یعنی ٹاپ ٹین طلبہ کو انعامات سے نوازا گیا جن کی فہرست درج ذیل ہے:

(۱) نبی سرور (۲) محمد منہاج (۳) فیصل قمر اعظمی
(۴) بلال احمد بٹ (۵) اسید جاوید اعظمی (۶) محمد مدثر
(۷) یاسین منظور (۸) ہاشم مشیر (۹) محمد دلشاد
(۱۰) مجتبیٰ اللہ (۱۰) عبدالرافع (دسویں پوزیشن دو طلبہ نے حاصل کی۔)

صدارتی خطاب میں جناب مولانا عبدالعظیم فلاحی صاحب نائب صدر مدرس صاحب نے فرمایا کہ دین اس وقت تک قائم نہیں ہوسکتا جب تک ہم سیاسی لحاظ سے مضبوط نہ ہوں۔ مولانا نے فرمایا کہ جامعہ میں سیاسیات کا مضمون داخل نصاب ہے تاکہ ہم لوگ جان لیں کہ اس نظام کی تفصیلات کیا کیا ہیں تاکہ دوسروں سے دلائل کی روشنی میں بات کرسکیں۔ نظامت کے فرائض جناب ابومعاذ صالح نے انجام دیے۔

پروفیسر یاسین مظہر صدیقی ندوی کا توسیعی لکچر

۱۸رنومبر ۲۰۱۷ء بروز شنبہ ابواللیث ہال جناب ڈاکٹر یاسین مظہر صدیقی ندوی صاحب کا توسیعی لکچر ہوا۔ موصوف نے ''حکمت دعوت۔ اسوۂ نبویؐ کی روشنی میں''، عنوان پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ داعی کو ہر جگہ پہنچنے کی ضرورت ہے، آپؐ معلم تھے اور ہر چھوٹی بڑی بات بتاتے اور لوگوں کو اخلاق سکھاتے۔ مخاطب کو سامنے رکھ کر دین کی دعوت دیتے۔ آپؐ لوگوں کو سچی بات بتاتے کبھی کسی کو چوٹ نہیں پہنچاتے تھے۔ لکچر کے آخر میں سوال وجواب کا بھی سیشن رہا۔ نظامت کے فرائض جناب مصباح الباری صاحب نے انجام دیے۔

جناب منوج جھا کا جامعہ میں توسیعی لیکچر

۱۸رنومبر ۲۰۱۷ بروز شنبہ بعد نماز عصر جامعہ کی مرکزی لائبریری ہال میں جناب منوج جھا دہلی یونیورسٹی کا توسیعی لکچر بعنوان ''حالات حاضرہ اور ہم'' منعقد ہوا۔ موصوف نے اپنی گفتگو میں بتایا کہ ملک کے حالات بہت نازک ہو چکے ہیں۔ یہ ملک بیمار ہو چکا ہے۔ اس کا علاج ہمیں تلاش کرنا ہوگا۔ اس ملک میں آر ایس ایس اور بی جے پی ہندو راشٹر نہیں بلکہ برہمن راج چاہتے ہیں۔ ہم مایوس نہ ہوں، خود آگے بڑھ کر کچھ کریں، لیکن جو کچھ کریں ہوش میں رہ کر کریں۔ اخیر میں طلبہ کے قیمتی سوالات کے مہمان خصوصی نے تشفی بخش جوابات دیے۔

صدارتی خطاب میں مولانا شبیر احمد فلاحی صاحب نے مہمان خصوصی اور تمام حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ نظامت کے فرائض جناب مولانا اعجاز احمد قاسمی صاحب نے انجام دیے۔

جناب ڈاکٹر عبدالقدیر اور جناب عبدالرفیق صاحب کا توسیعی لکچر

۲۰رنومبر ۲۰۱۷ء بروز دوشنبہ ابواللیث ہال میں جناب ڈاکٹر عبدالقدیر صاحب کا ایک توسیعی لکچر بعنوان ''حفظ قرآن پلس کا کامیاب تجربہ'' منعقد ہوا۔ ڈاکٹر عبدالقدیر صاحب کا تعلق کرناٹک سے ہے اور آپ حفظ قرآن پلس کورس کے علاوہ بڑے پیمانے پر تعلیمی سرگرمیاں انجام دے رہے ہیں۔ مہمان خصوصی نے اپنی گفتگو میں فرمایا کہ ہم اپنے ادارہ میں حافظ بچے لیتے ہیں۔ چار سال کے بعد وہ بچے کسی یونیورسٹی میں داخلہ لینے کے لائق ہو جاتے ہیں۔ جامعۃ الفلاح کے ایک فارغ جناب فواز جاوید خان فلاحی صاحب نے بھی ہمارے ادارے میں داخلہ لیا اور دسویں پاس کرنے کے بعد سائنس سائیڈ سے انٹر کر رہے ہیں اور دسویں میں ان کے نمبرات ۹۲ رفیصد تھے۔ وہ ہمارے اسکول کے ٹاپ طلبہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ اسی طرح ہمارے اسکول کے کئی فارغ بچے اچھی جگہوں پر ہیں۔ چونکہ جو بچہ حافظ ہوگا وہ محنتی بھی ہوگا، چنانچہ اس کے لیے بہت سے مواقع ہیں۔

دوسرے مہمان جناب محمد عبدالرفیق صاحب (حیدرآباد) نے اپنی گفتگو میں فرمایا کہ ہندوستان میں ہمارے کئی ادارے ہیں۔ بچے بچیوں سب کا بہترین انتظام ہے۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے بچے وکیل، ڈاکٹر، انجینئر بنیں لیکن وہ ایمان دار ہوں اور حضرت عمرؓ جیسے کارنامے انجام دے سکیں۔ نظامت کے فرائض جناب مولانا عبدالعظیم فلاحی صاحب نے انجام دیے۔

علوم القرآن کے مقابلہ میں جامعہ کی شاندار نمائندگی

۲۱؍نومبر ۲۰۱۷ء بروز سہ شنبہ ابواللیث ہال میں جناب مولانا نعیم الدین اصلاحی صاحب نے ایک مختصر تذکیر کرتے ہوئے فرمایا کہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ ادارہ علوم القرآن کے مقالہ نویسی مقابلہ میں جامعہ کے کئی طلبہ و طالبات نے شرکت کی۔ جن میں جامعہ کی فضیلت کی ایک طالبہ نے پہلی پوزیشن حاصل کی۔ جامعہ میں طلبہ کو جو مواقع اور سہولیات طلبہ کو میسر ہیں وہ سہولیات طالبات کو میسر نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود ایک طالبہ کا پہلی پوزیشن لانا کافی خوشی کی بات ہے۔

ڈاکٹر محی الدین غازی صاحب کا توسیعی لیکچر

۲۱؍نومبر ۲۰۱۷ء بروز سہ شنبہ ابواللیث ہال میں پرنسپل قرآن کالج الجامعہ الاسلامیہ شانتاپرم کیرلا جناب ڈاکٹر محی الدین غازی صاحب کا ایک توسیعی لیکچر بعنوان 'قرآن کے سائے میں عقل کی نشوونما' منعقد ہوا۔ جناب ڈاکٹر محی الدین غازی صاحب نے اپنی گفتگو میں کہا کہ عقل سلیم کبھی نص صریح سے نہیں ٹکرا سکتی۔ موصوف نے ابن تیمیہ کے حوالے سے اس ضمن میں شاندار گفتگو کی۔ اسی طرح علامہ فراہی کا بھی حوالہ دیا۔ موصوف نے فرمایا کہ علامہ عباد کے مطابق عقل کا استعمال کرنا ایک دینی فریضہ ہے۔ اسی طرح موصوف نے یہ بھی فرمایا کہ عقل کو استعمال کرنے کے لیے قرآن میں بہت تاکید کی گئی ہے۔ قرآن میں کہیں بھی عقل کی مذمت نہیں کی گئی اور نہ ہی اس سلسلے میں کوئی مشروط بات کہی گئی۔ اسی طرح موصوف نے عقل کا کام بتایا کہ عقل دریافت کرتی ہے یا تجزیہ کرتی ہے یا انکشاف کرتی ہے وغیرہ۔ قرآن ان سب چیزوں پر محیط ہے۔

اہل تصوف نے عقل کو استعمال کرنے سے منع کیا ہے۔ کیونکہ اس کا استعمال غلط طریقے سے ہونے لگا تھا۔ ایک محقق نے کہا تھا کہ قرآن سے پہلے فکر کا استعمال نہیں تھا یا کم تھا۔ اس وقت پوری دنیا میں عقل کے استعمال میں مسلمانوں کو سب سے پیچھے سمجھا جاتا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امت قرآن مجید سے دور ہے۔ قرآن سے زیادہ کوئی عقل کے استعمال پر نہیں ابھارتا ہے۔

قرآن مجید ایک ایسی امت تیار کرنا چاہتا ہے جو دنیا پر عقل کے ذریعہ انقلاب لائے۔ اللہ تعالی نے انسان کو جتنی عقل عطا کی ہے اس کا وہ چند فیصد ہی استعمال کرتا ہے۔ لکچر کے آخر میں طلبہ کی طرف سے سوالات کیے گئے جن کے موصوف نے تشفی بخش جوابات دیے۔ نظامت کے فرائض جناب مولانا

رئیس احمد فلاحی صاحب نے انجام دیے۔

محترمہ آلاء خالد بریمی صاحبہ کا کلیۃ البنات میں توسیعی لیکچر

۲۱رنومبر ۲۰۱۷ء بروز سہ شنبہ کلیۃ البنات نسواں میں محترمہ آلاء خالد بریمی صاحبہ کا ایک توسیعی لیکچر عربی زبان میں بعنوان 'رسائل امھات المومنین الی نساء المومنین' طالبات کے لیے ہوا۔

مجلس شوریٰ کی میٹنگ

۲۵/۲۶رنومبر ۲۰۱۷ء بروز شنبہ و یکشنبہ جامعہ کی مرکزی لائبریری ہال میں مجلس شوری کی میٹنگ ہوئی۔ جس میں جامعہ کے مندرجہ ذیل ذمہ داران کا انتخاب عمل میں آیا:

۱۔شیخ الجامعہ	مولانا سید جلال الدین عمری صاحب (امیر جماعت اسلامی ہند)
۲۔ناظم	مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی مدنی صاحب
۳۔نائب ناظم	ماسٹر محمد احمد صاحب
۴۔مہتمم تعلیم وتربیت	مولانا نعیم الدین اصلاحی صاحب
۵۔معتمد مال	مولانا ابوالبقاء ندوی صاحب

اسی طرح تین نئے شوریٰ کے ممبران کا انتخاب بھی عمل میں آیا جن کی فہرست درج ذیل ہے:

۱۔ڈاکٹر محمد عمیر صاحب (بلریا گنج) ۲۔ڈاکٹر انعام اللہ اعظمی فلاحی صاحب (سرسال)

۳۔ٹی عارف علی صاحب (کیرالہ) نائب امیر جماعت اسلامی ہند)

امیر اسلامک سنگھ نیپال
جناب مولانا خورشید احمد صاحب کی تذکیر

۲۵رنومبر ۲۰۱۷ء بروز شنبہ ابواللیث ہال میں جناب مولانا خورشید احمد صاحب امیر اسلامی سنگھ (نیپال) کی ایک تذکیر ہوئی۔ موصوف نے اپنی گفتگو میں فرمایا کہ خلافت ارضی کے لیے اللہ تعالی نے حضرت آدم کو علم دیا تھا، اسی علم کے ذریعہ ہم خلافت حاصل کر سکتے ہیں۔ اس خلافت کو دوسرے لوگوں نے ہم سے چھین لیا ہے۔ جب ہم علم کے میدان میں آگے بڑھیں گے اور بڑے بڑے کارنامے انجام دیں گے تو اللہ تعالی اس خلافت کو ہمارے پاس لوٹا دیں گے۔ جناب مولانا عبدالعظیم فلاحی صاحب نے نظامت کے فرائض انجام دیے۔

جامعہ کے نومنتخب ذمہ داران

۳؍دسمبر ۲۰۱۷ء بروز یکشنبہ مجلس عاملہ منعقد ہوئی۔ جس میں نئی میقات (جنوری ۲۰۱۷ء تا دسمبر ۲۰۲۰ء) کے لیے درج ذیل افراد کو مختلف شعبوں کا ذمہ دار مقرر کیا گیا ہے:

۱۔معاون مہتمم تعلیم وتربیت	مولانا انیس احمد مدنی صاحب
۲۔صدر مدرس شعبہ اعلی طلبہ	مولانا انیس احمد مدنی صاحب
۳۔صدر شعبہ اعلی طالبات	محترمہ سلمی جلیل صاحبہ
۴۔صدر شعبہ ثانوی طلبہ	مولوی عرفان احمد صاحب
۵۔صدر شعبہ ثانوی طالبات	محترمہ افسری عثمانی صاحبہ
۶۔صدر شعبہ ابتدائی طلبہ	ماسٹر شاہنواز احمد صاحب
۷۔صدر شعبہ ابتدائی طالبات	محترمہ نزہت صاحبہ
۸۔ذمہ دار شعبہ حفظ طلبہ	قاری زاہد قاسمی صاحب
۹۔ذمہ دار شعبہ حفظ طالبات	محترمہ عارفہ امین صاحبہ
۱۰۔نگران اعلیٰ طلبہ وطالبات	مولانا اعجاز احمد قاسمی صاحب
۱۱۔نگراں شعبہ امتحانات واسناد	مولانا رئیس احمد فلاحی صاحب

اللہ تعالی تمام ہی نومنتخب ذمہ داران کو اپنی ذمہ داریاں بحسن وخوبی انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

جناب مولانا رفیق احمد نظامی صاحب کی جامعہ آمد

۴؍دسمبر ۲۰۱۷ء بروز دوشنبہ ابواللیث ہال میں جناب مولانا رفیق احمد نظامی (حیدرآباد) کی ایک تذکیر ہوئی۔آپ نے اپنی تذکیر میں فرمایا کہ علم بغیر عمل کے نفع بخش نہیں ہے اس لیے علم کے ساتھ ساتھ عمل بھی کریں۔نظامت کے فرائض جناب مولانا اقبال احمد اصلاحی صاحب نے انجام دیے۔۹؍دسمبر ۲۰۱۷ء بروز شنبہ جامعہ کے شعبہ نسواں کلیۃ البنات میں مولانا رفیق احمد نظامی صاحب (حیدرآباد) کا ایک لکچر مولانا نعیم الدین اصلاحی صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا۔موصوف کئی دنوں تک جامعہ میں طلبہ وطالبات کے کلاس میں جاجا کر جائزہ لیتے رہے۔ناظم جامعہ، سابق ناظم جامعہ، مہتمم تعلیم وتربیت،

صدر مدرس اور حدیث وفقہ کے اساتذہ کرام کے ہمراہ ایک سے زائد بار میٹنگ ہوئیں اور اسی طرح مہمان خصوصی کی نگراں آفس میں تمام ہی نگراں حضرات کے ہمراہ ایک نشست ہوئی، موصوف کے ساتھ جامعہ کی تعلیمی وتربیتی صورت حال، نظام تعلیم اور نصاب تعلیم پر مختلف ناحیوں سے گفتگو کی گئی۔

۶/دسمبر یوم سیاہ

۶/دسمبر ۲۰۱۷ء بروز چہارشنبہ ابواللیث ہال میں بابری مسجد کی شہادت پر ایک پروگرام منعقد ہوا۔ سکریٹری جمعیۃ الطلبہ محمد فارس (فضیلت سال اول) نے بابری مسجد کی تاریخ اور شہادت پر روشنی ڈالی۔ سابق ناظم جامعہ مولانا محمد طاہر مدنی صاحب نے بابری مسجد کی شہادت پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ ۶/دسمبر کے دن کو ہم یوم سیاہ کے طور پر مناتے ہیں کیونکہ اس دن کچھ سیاسی مفادات کے حصول کے لیے قانون کی دھجیاں بکھیری گئیں اور بابری مسجد شہید کردی گئی۔

مہتمم تعلیم وتربیت جناب مولانا نعیم الدین اصلاحی صاحب نے اپنی گفتگو میں فرمایا کہ ظلم جس قوم سے بھی سرزد ہوگا وہ تباہ وبرباد ہوگی، قوم عاد وثمود اور بہت سی قومیں ظلم کی وجہ سے تباہ ہوئیں۔ جہاد کا مقصد ہے کہ زمین پر امن قائم ہو اور فساد اور ظلم وزیادتی کا خاتمہ ہو۔ اسلام صرف مسجد ہی نہیں بلکہ گرجا گھروں کی بھی حفاظت کا حکم دیتا ہے۔ جب ظلم کی انتہا ہوگی تو تباہی آئے گی۔

نومنتخب ناظم جامعہ کی اساتذہ کے ساتھ نشست

۱۴/دسمبر ۲۰۱۷ء بروز پنجشنبہ ابواللیث ہال میں ایک پروگرام ناظم جامعہ جناب مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی مدنی صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا۔ جناب مصباح الباری صاحب کی تلاوت سے پروگرام کا آغاز ہوا۔ افتتاحی گفتگو میں مہتمم تعلیم وتربیت جناب مولانا نعیم الدین اصلاحی صاحب نے افتتاحی گفتگو کی۔ ناظم جامعہ جناب مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی مدنی صاحب نے اپنی گفتگو میں فرمایا کہ محض افراد کی تبدیلی سے کوئی کامیابی نہیں ملتی بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم سب مل کر جامعہ کے مقاصد کو پورا کریں۔ یہ جامعہ ایک تعلیمی وتربیتی ادارہ ہے اس کے لیے ہم لوگ مل جل کر کام کریں، طلبہ اور اساتذہ جامعہ کے لیے ریڑھ کی ہڈی کے مانند ہیں۔ جناب مولانا سلامت اللہ اصلاحی صاحب کی دعا پر پروگرام اختتام پذیر ہوا۔ نظامت کے فرائض جناب مولانا انیس احمد فلاحی مدنی صاحب (معاون مہتمم وصدر مدرس شعبہ اعلی) نے انجام دیے۔

تقریب سنگ بنیاد 'انجمن ہاسٹل'

۲۴؍نومبر ۲۰۱۷ء بروز جمعہ بعد نماز جمعہ انجمن ہاسٹل کی تعمیر کے سلسلے میں ایک پروگرام منعقد ہوا جس کی صدارت مولانا سید جلال الدین عمری صاحب (امیر جماعت اسلامی ہند و شیخ الجامعۃ) نے فرمائی۔اس پروگرام میں قرب وجوار کے مدارس کے ذمہ داران، جامعہ کے متعلقین و فلاحی برادران، ودھائک، چیرمین، پردھان، اور دیگر حضرات کو خصوصی طور پر مدعو کیا گیا۔ یہ پروگرام مولانا مودودی ہاسٹل وحسن البناء منزل کے سامنے والے پارک میں منعقد ہوا۔

پروگرام کا آغاز تلاوت قرآن سے ہوا۔درج ذیل حضرات نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا:

۱۔ناظم جامعہ جناب مولانا طاہر مدنی صاحب ۲۔ڈاکٹر ملک محمد فیصل فلاحی صاحب ۳۔ٹی عارف علی صاحب نائب امیر جماعت اسلامی ہند۔

پروگرام کا اختتام مولانا سید جلال الدین عمری صاحب (امیر جماعت اسلامی ہند) کے صدارتی کلمات سے ہوا۔نظامت کے فرائض مولانا انعام اللہ فلاحی صاحب نے انجام دیے۔

اس کے بعد مولانا سید جلال الدین عمری صاحب (امیر جماعت اسلامی ہند) کے بدست ''انجمن ہاسٹل'' کی تعمیر کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔عصر کی نماز کے بعد عصرانہ کا بھی اہتمام کیا گیا۔

۲۴؍نومبر ۲۰۱۷ء بروز جمعہ سے انجمن ہاسٹل کی تعمیر کا باقاعدہ آغاز ہو چکا ہے۔تعمیراتی وانتظامی سہولت کے پیش نظر مجوزہ بلڈنگ کی ایک ساتھ تعمیر کے بجائے عمارت کو تین بلاک میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے بلاک کی ایک منزل پر طلبہ کے ۱۴؍رہائشی کمروں کے ساتھ ایک وارڈن ہاؤس ہوگا۔اس طرح پہلے بلاک میں ستر (۷۰) کمرے اور پانچ وارڈن ہاؤس ہوں گے۔ جن میں دوسواسی (۲۸۰) طلبہ اور پانچ (۵) وارڈن کی رہائش کے لیے گنجائش ہوگی۔ پہلے بلاک کی تعمیر پر تقریباً ساڑھے چار کروڑ روپے خرچ کا تخمینہ متوقع ہے۔

اس موقع پر بعد نماز مغرب جمعیۃ الطلبہ کی جانب سے تعلیمی مظاہرہ مولانا ولی اللہ سعیدی فلاحی صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا۔ پروگرام کا آغاز تلاوت قرآن سے ہوا۔محمد ابراہیم خان متعلم

فضیلت دوم نے نظم پیش کی۔اس کے بعد محمد اسماعیل (عربی چہارم) محمد نبیل (فضیلت سال دوم) محمد ریاض شیر (فضیلت سال دوم) اورابومعاذ صالح (فضیلت سال اول) نے بالترتیب اردو،انگریزی، ہندی اور عربی میں تقاریر پیش کیں۔

صدارتی خطاب میں مولانا ولی اللہ سعیدی فلاحی صاحب نے فرمایا کہ طلبہ نے وقت اور حالات کے لحاظ سے موضوع کا انتخاب کیااور صحیح و درست لب ولہجہ میں اپنے اپنے موضوع پر اظہار خیال کیا، مجھے بہت خوشی ہوئی اور بہت سارے اشکالات جوطلبہ کو لے کر ذہن میں تھے وہ سب دور ہو گئے۔ جامعہ کا تعلیمی نظام مسلسل پروان چڑھ رہا ہے جس کا طلبہ کے مختلف پروگرامس سے اظہار ہوا ہے۔

تعزیت

...... برادر فلاح الدین فلاحی (ماہنامہ زندگی نو،نئی دہلی) کے والدمحترم جناب نور محمد صاحب اسلام پور ضلع نالندہ کا انتقال ہوگیا۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔مرحوم جماعت اسلامی ہند کے قدیم ترین رکن تھے۔ ایک عرصہ تک جماعت مقامی کے امیر مقامی بھی رہے۔وہ فی الواقع بہت ہی خدا ترس،شریعت کے پابنداوراقامت دین کے مخلص داعی ومبلغ تھے۔اللہ مرحوم کی مغفرت فرمائے۔آمین

...... برادر امتیاز احمد فلاحی (گورکھپور) ریسرچ اسکالر اے ایم یو کے والد محترم کا بھی انتقال ہوگیا ہے۔اللہ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

...... سابق استاذ جامعہ مولانا یٰسین فلاحی صاحب کا بھی انتقال ہوگیا ہے۔مرحوم جامعہ کے شعبہ تدریس سے وابستہ رہے۔ایک زمانے تک بیرون ملک بھی مقیم رہے۔مرحوم کا تعلق بلریا گنج سے ہے۔اللہ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عنایت فرمائے۔